موسمی اثرات اور طبیعاتی تغیرات۔ زندگی پر کچھ نہ کچھ اثر کرتے ہیں۔ اس کا تو ماہ نور کو خوب یقین تھا۔ کبھی بے موسم بادل اور برسات تو کبھی ناوقت کی گرمی

کبھی آنسو کبھی ہنسی۔ کبھی دکھ کبھی خوشی۔ زندگی ان تمام معاملات سے مرصع ہے۔ انسان کو ہر حال میں برداشت کرنا ہی ہوتا ہے۔ شادی جس میں خوشی نہ ہو۔ مگر یہ زندگی اور اس کی ترجیحات۔ ماں باپ کی محبتوں کا قرض ادا کرنا بھی فرائض میں داخل ہے اور خاندان کا بھرم رکھنا بھی عین عبادت ہے اور سب سے بڑھ کر وقت کا تقاضا، کب تک انکار کیے جاتی اور کتنے بہانے بناتی۔ اسے یقین تھا کہ جب بھی اس کا دل گواہی دے۔ اس رشتے پر وہ راضی ہو جائے گی۔ مگر اب تک تو کسی رشتے پر دل نے گواہی نہ دی تھی۔ اور اسے دل کی گواہی درکار تھی۔ پڑھائی بھی مکمل ہو گئی۔ اب والدین کو اس کی شادی اور پھر حج کی ادائیگی کی فکر سوار تھی۔

ابا نے کہہ دیا۔ "زندگی بے بھروسا ہے اور حج کا فرض ادا کرنا بھی ضروری اس لیے جو مناسب رشتہ آیا۔ اسی سال اس کی رخصتی کر کے اگلے سال حج۔"

انکار کی گنجائش نہ تھی۔ شازیہ اس کی دوست بھی تھی اور رشتے میں بھابھی ہوتی تھی۔ اس کے پڑوس میں ایک فیملی آئی تھی کرائے کے گھر میں خاصے ٹھیک ٹھاک لوگ تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے کہا تھا۔ شازیہ نے ان کے بیٹے کو دیکھا نہیں تھا۔ وہ سعودی عرب میں تھا۔ شازیہ کے ساتھ لڑکے کی ماں بہنیں آئیں۔ رشتہ دے کر چلی گئیں۔ ابا نے شازیہ اور اس کے شوہر کے یقین دلانے پر کہ فیملی بہت معقول ہے۔ نیم رضامندی ظاہر کی۔ پھر لڑکے کے آنے پر اسے دیکھا اور منظوری دے دی۔ وقت کم تھا۔

لڑکا شادی کے لیے چھٹی لے کر آیا تھا۔ اس لیے قریب ترین وقت کی تاریخ رکھی گئی۔

ماہ نور کا دل عجیب مخمصے میں گرفتار تھا۔ وہ بے چین

تھی۔ اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ خوش نہ تھی۔ نہ جانے کیسا اضطراب تھا۔ مایوں کے دن لباس کی پیلاہٹ اس کے چہرے کیا پورے وجود پر پھیل رہی تھی۔ نہ جانے کیسا خوف تھا کہ دل سنبھلتا نہ تھا۔ اماں نے کئی بار گلے لگایا، سمجھایا۔

"پریشان کیوں ہو۔ سب لڑکیاں ماں باپ سے جدا ہوتی ہیں۔ سسرال بساتی ہیں۔ اپنا گھر بناتی ہیں۔ ماں باپ بھی بیٹی کو اس کی سسرال میں بسا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹی۔"

"اماں!" اس نے ماں کے ہاتھ پکڑ لیے۔ "اگر سب ٹھیک نہ ہو..... تو۔"

"بیٹا کیوں وہم پالتی ہو۔ اللہ سے دعا کرو۔ وہ بہتری کرنے والا ہے۔ میں تو دن رات تمہارے لیے دعا کرتی ہوں۔ بلکہ سب کے لیے ہی دعا کرتی ہوں۔ اللہ سب کے نصیب اچھے کرے۔ تمہاری ساس نند تو مجھے خاصی بھلی لگیں۔"

"مجھے کیوں نہیں لگیں۔" وہ رونکھی ہو گئی۔

"جیسے کچھ چھپا رہی ہوں۔"

"نہیں بیٹا! سیدھی سادی ہیں۔ آج کل کے زمانے کی طرح تیز طرار نہیں ہیں۔"

وہ اس سے زیادہ خود کو تسلی دے رہی تھیں۔ مگر انہیں بیٹی کی کیفیت سے خوف آ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ انہیں خوف زدہ کر دیتی تھی۔ اس کے اندیشے اکثر درست ثابت ہوتے۔ تائی تو ماہ نور کی پیش گوئیوں کی قائل ہو گئی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس کے جسم میں کسی ولی کی روح ہے۔ اس کے خواب بھی اکثر سچے ہوتے تھے۔ وہ کچھ کہہ دیتی تو ہو بھی جاتا۔ اماں تو کہتی تھیں۔

"زبان کو روکو ہر بات دھڑے سے کہنے سے پرہیز کرو۔ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔"

نہ جانے وہ کون کون سے اندیشے پال رہی تھی۔ وہ شاید خود کو بہلا لیتی۔ مگر اس کی متوقع ساس کا طرز عمل بھی کچھ عجیب سا تھا۔ خوامخواہ بغیر کسی بات کے ہنس پڑتیں۔ اچانک بولتے بولتے چپ ہو جاتیں۔ نند بھی کسی سے نظر ملا کر بات نہ کرتی۔ ادھر ادھر ٹٹولتی نظروں سے جانے کیا تلاش کرتی۔ کسی اور کو کچھ بھی کیوں نظر نہ آتا تھا۔ اسے ہی پراسرار کیفیت کا ادراک کیوں ہو رہا تھا۔ آخر اسے ہی ساس اور نند عجیب سی کیوں نظر آ رہی تھیں۔ اماں کو وہ سب بھلی نظر آ رہی تھیں۔ اتنے دن آنے جانے میں انہوں نے ایک بار بھی تو اسے پیار نہیں کیا۔ کسی ذوق و شوق کا اظہار ان کی جانب سے نہیں ہوا۔ رشتہ لے کر آئی تھیں تو بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہی تھیں۔ بعد میں جب بھی آئیں کبھی چوڑی کا ناپ، جوڑے کا ناپ۔ رنگ کون سا پسند ہے وغیرہ تو کوئی جوش یا خوشی ان کے انداز میں نظر نہ آئی۔ مہندی کے دن نکاح کی تجویز بھی ان ہی کی تھی۔ سب اسے مبارک باد دے رہے تھے۔

"چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو رہا ہے۔ سعودی عرب جاؤ گی۔ جاتے ہی عمرہ کرنا۔ اگلے سال حج کر لینا۔ کتنی خوش نصیب ہو تم۔"

کسی کو بھی سسرال والوں کی بے نیازی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"ارے ہوتے ہیں نا۔ بھئی بعض لوگ اکھڑ۔ یہ بھی ویسے ہوں گے۔ خیر تمہیں کون سا رہنا ہے سسرال میں۔ آرام سے سعودیہ چلی جانا۔ بندہ اچھا ہونا چاہیے۔ سسرال کا کیا ہے۔ کبھی کبھار کا ملنا ہو گا۔"

وہ اندر ہی اندر گھولتی رہی۔ کسی کو پروا تھی نہ فکر۔ مایوں کی رسم بڑے جوش و جذبے سے ادا کی گئی۔ رشتے دار بہنوں کا جم غفیر مذاق کے موڈ میں تھا۔ رات ہوئی تو سب مہمان رخصت ہوئے اور نت نئے اندیشوں سے اس کی روح سلگتی رہی۔ آخر یہ رشتہ کہاں سے ٹپک پڑا۔ ابا نے کیسے منظور کر لیا۔ کس نے انہیں مطمئن کیا۔ اس سے پہلے جو رشتے آئے ابا نے مسترد کر دیے اور کئی خود اس نے 'مگر اب' وہ توہمات سے نجات چاہتی تھی۔ مگر دل تھا کہ مانتا نہ تھا۔ کوئی اندر سے چٹکیاں لیتا رہا کہ کچھ غلط ہے۔ کچھ غیر معمولی ہے۔ کہیں نہ کہیں کوئی راز ہے۔ جیسے اندر سے دل خبردار کر رہا ہے کہ ہوشیار خبردار آگے خطرہ ہے۔ خطرہ؟ مگر

Pinky Roadsign

کیسا؟

ابھی چند ماہ پہلے راشدہ آپا کی شادی ہوئی تھی۔ کیسی رونق اور گہما گہمی تھی۔ راشدہ آپا کی نندیں بہانے بہانے ان کے گھر آتیں۔ ان سے سرگوشیاں کرتیں۔ پھر موبائل ان کے کان سے لگا دیتیں۔ راشدہ آپا کس قدر شرماتی تھیں۔ موبائل کان سے لگاتے ہی ان کا چہرہ لال ہو جاتا۔ کان بھی سرخ ہو جاتے۔ ہاتھ میں لرزش ہوتی۔ وہ گھبرا کر موبائل نند کے ہاتھ میں دے دیتیں۔ پھر سب کے شوخ قہقہے بلند ہوتے۔ وہ اور بھی شرماتیں۔ ارے! وہ اپنے سوچ پر خود ہی حیران ہو گئی۔ کیا میں اس لیے پریشان ہوں۔ نندیں چھیڑ چھاڑ نہیں کرتیں یا "اس" کے فون نہیں آتے۔ نہیں یہ بات نہیں بات کوئی اور ہے۔

راشدہ آپا اس کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان کی شادی خاصی لیٹ ہوئی تھی۔ مگر بہت دھوم دھام اور سادگی سے۔ دھوم دھام تو ان کی ان گنت بہنوں اور سہیلیوں نے کی تھی۔ ہر روز جمع ہو کر شور شرابا کرتیں۔ شادی ہونے تک روزانہ گانے بجانے کی محفل سجتی۔ ان کے دولہا کے ساتھ بھی سب سہیلیوں اور بہنوں نے دوستی کر لی تھی۔ خوب مذاق ہوتا۔ مہندی کی رات دولہا کو بھی خوب اپنے ساتھ نچایا۔ پہلے وہ شرمائے پھر ڈھول کی تھاپ پر خوب خوب فن کے جوہر دکھائے۔ اب بھی وہ یاد کرتے ہیں کہ راشدہ کی بہنوں اور سہیلیوں نے شادی کی رونق بڑھا دی تھی۔

یہاں بھی چند رشتے دار لڑکیوں اور محلے کی خواتین ڈھول پیٹنے کا فریضہ ادا کرنے کے بہانے جمع ہو جاتیں۔ شور ضرور ہوتا۔ رونق ندارد۔

بھابھی، بھیا آ گئے تھے۔ کئی سال کے بعد آئے تھے کینیڈا سے۔ اماں ابا بے حد خوش تھے۔ بھیا بھابھی ہونے والے دولہا سے ملنے گئے تھے۔ بھابھی نے آ کر اسے مبارک باد بھی دی تھی اور تسلی بھی۔

"اچھا ہے۔ خوش مزاج ہے۔ گھر مگر ایویں ہی سا ہے۔ مگر تمہیں کون سا سسرال میں رہنا ہے۔ چند دن یا چند ماہ بعد تو تم سعودی عرب میں ہو گی۔ یہاں کا قیام چند روزہ ہو گا۔"

پتا نہیں سب کو یہ یقین کیوں تھا کہ وہ تا زندگی سعودی عرب میں رہے گی۔ بھیا تو شادی کے انتظامات میں مصروف ہو گئے۔ بھابھی نے خاندان والوں سے ملنے ملانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دونوں بچے دادی کی تحویل میں تھے اور وہ انہیں اردو سکھانے کی پوری کوشش کر رہی تھیں اور ناراض ہو کر بیٹے کو ملامت بھی کرتیں کہ بچوں کو انگریز کیوں بنایا۔ ان سے اردو میں بات کرتے تو وہ اتنے انجان نہ ہوتے۔ کوئی ہونے والے داماد کی پراپرٹی کے بارے میں سوال کرتا تو اماں بڑے اطمینان سے جواب دیتیں۔

"بھئی میں نے تو پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ ماہ نور کے ابا کو شاید معلوم ہو۔ گھر تو کرائے کا ہے۔ مگر لڑکا سعودی عرب میں ہے۔ گھر بھی بنا لے گا۔ کئی بہنیں ہیں۔ سب کی شادیاں ہونی ہیں۔ کوئی رشتہ ہو تو بتانا۔"

ماہ نور مگر الجھن میں گرفتار تھی۔ اسے کسی شدید خسارے کے آثار لگ رہے تھے۔ اس کی جبلت اسے خبردار کر رہی تھی۔ کچھ ہونے والا ہے۔ کوئی طوفان آنے والا ہے۔ دل بے چین تھا۔ مگر وہ کسی سے کہہ نہ پاتی۔ لڑکیاں شادی کے ذکر پر خوش ہوتی ہیں۔ اسے کوئی خوشی نہ ہوتی۔ کیوں آخر؟ وہ کسی خوش آئند تصور سے لطف اندوز نہ ہوتی۔ نہ جانے کیسی فکریں اسے لاحق تھیں۔

کچھ دن پہلے اس کی کلاس فیلو عمرانہ کی شادی بھی تو ہوئی تھی۔ وہ کتنی خوش رہتی تھی۔ اس کی بہن دانت کچکچا کر کہتی۔

"اری عمرانہ! پتیسی بند بھی کر لیا کر۔ یہ جو باچھیں چری جا رہی ہیں۔ کہیں ان میں ٹانکے نہ لگوانے پڑ جائیں۔ ایک جگہ فکس ہو گئیں تو۔"

عمرانہ کھلکھلاتی "کیوں نہ باچھیں چیروں۔ میری اپنی ہیں۔ تم سے تو نہیں مانگیں جو تمہیں تکلیف ہو رہی ہے۔"

"سسرال والے سوچیں گے۔ ہم نے جو سنجیدہ صورت لڑکی دیکھی تھی یہ وہ تو نہیں ہے۔ کہیں لڑکی تو

نہیں بدل گئی۔" اس کی بہن اپنی فکر سے آگاہ کرتی۔

مگر عمرانہ پر کسی بات کا اثر نہ تھا۔ خوب چہکتی رہی اور سب کی پھبتیوں کا منہ توڑ جواب دیتی رہی۔ اپنی مہندی کا اس نے کھڑکی سے نظارہ دیکھا۔ اس کی تمام نندیں شادی شدہ تھیں۔ وہ سب مہندی کے تھال اٹھائے گانے گاتی ہوئی آرہی تھیں۔ ہر لڑکی کے ساتھ اس کے چار چار تو بچے تھے۔ جن کی عمروں میں بھی ایک یا ڈیڑھ سال کا ہی فرق تھا۔ کئی اور رشتے کی بہنیں بھی گئی گئی بچوں کی مائیں تھیں۔ جب مہندی کے تھال درمیان میں رکھ کر موم بتیاں جلا کر وہ بیٹھیں تو موم بتیوں کی جگمگاہٹ کے ساتھ بے شمار بچوں کی قطاریں تھیں۔ بچوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ عمرانہ کی بہن تو اس کے مستقبل سے خاصی مایوس ہو گئی۔

"ہائے عمرانہ! تیری تو ساری نندوں کو چاپی کے ٹیکوں کی اشد ضرورت ہے او میرے خدا رحم۔"

عمرانہ کو ٹھوکا مار کر اس کی ایک سہیلی نے کہا۔ "میں تو کہتی ہوں عمرانہ تم ابھی سے ٹیکہ لگوالو۔ ورنہ اس انجام سے ہی واسطہ پڑے گا کہ کوئی آنچل تھامے ریں ریں کرتا بچہ کوئی گود میں کوئی پیچھے سے دہائی دیتا لاڈلا۔"

اس کی سب بہنیں اور سہیلیاں اس کی نندوں کا مذاق اڑا رہی تھیں۔ جو کسی بچے کے دودھ کے لیے، کسی کو باتھ روم لے جانے کے لیے تو کسی کو سلانے کے لیے پریشان تھی۔ عمرانہ چومکھی لڑتی رہی۔ ہنسی اس کے لبوں سے ایک لمحے کو جدا نہ ہوئی۔ پھر اس نے چڑ کر کہا۔

"اللہ سے توبہ کرو جب تمہارے چھوٹے بھائیوں کی شادی ہو گی چھ سات سال کے بعد تو تم بہنیں اسی مرحلے سے گزر رہی ہو گی۔"

عمرانہ خوش تھی۔ خوشی ـــ دل سے پھلجڑی کی مانند چھوٹتی ہوئی اس کے انگ انگ کو رقص کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

اسٹیج پر بھی اس کی خوشی دیدنی تھی۔ چہرہ کھلا گلاب۔ ہونٹ ادھ کھلی کلی کی مانند شگفتہ شگفتہ۔ کسی بہن نے ٹوکا۔

"اتنی خوشی ظاہر نہ کر کہ سسرال والے سمجھیں کہ بے چاری شادی سے مایوس ہو گئی تھی۔"

"خوشی تو اس بات کی ہے کہ چار پانچ نندوں کے جھرمٹ میں سولہ بچوں کا نڑکا بھی لگا ہوا ہے۔" کسی دوست نے مسخرے پن سے کہا۔

"اور گود بھرائی کی رسم میں جب ساری نندوں کے بچے ضد کر بیٹھے ایک ایک کر کے سب کو بٹھانا پڑا۔ تو عمرانہ ـــ ہاں پلیتھن نکل جائے گا۔ بے چاری ـــ"

"عمرانہ! خبردار۔" بہن نے گھبرا کر عمرانہ کا بازو دبوچا۔ "کسی بچے کو گود میں نہ بٹھانا۔"

"اور اگر ساس نے گود بھرائی کی رسم کرنے کی ضد پکڑلی؟ تب؟ سارے بچے ہی اس نئی نکور کنواری گود میں بیٹھنے کے تمنائی ہوں گے۔ دلہن کی آغوش میں ننھے منے شیدائی۔"

سب ہنسنے لگیں۔ سب ہی وہاں خوش تھے۔ فقرے چست ہو رہے تھے، قہقہے لگ رہے تھے۔ اور یہاں وہ تھی دکھی لٹی پٹی سی پریشان حال، کیسی مایوں کہاں کی مہندی اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا کہ دل کیوں اس قدر مضطرب ہے۔ اور کسی کو بھی اس کی طرف دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔ کوئی اس کی کیفیت سے آگاہ نہ تھا۔ سب کو اپنے کپڑوں کی میچنگ کی زیادہ ہی فکر تھی۔ بس ایک اماں تھیں جو اسے دیکھ دیکھ کر ہول رہی تھیں کہ وہ فکرمند ہے۔

شادی بھی اچانک ہی طے ہوئی اور آناً "فاناً" تاریخ بھی آگئی۔ سب پر جیسے افتاد سی آپڑی۔ یوں جیسے کسی کو گہری نیند سے جگا دیا جائے۔ تو وہ حواس باختہ ادھر ادھر ہاتھ مارتا ہے۔ اسی طرح سب لوگ ہڑبڑا کر شادی کی تیاری میں لگ گئے۔ درزی کے چکر بازار کے پھیرے، گھر کی صفائیاں، کھانے پکانے کی مشقت غرض یہ کہ ہلچل تھی۔ رات کو جب چند لڑکیاں ڈھول لے کر بیٹھتیں وہ اور بھی گھبراتی۔ اعصاب جواب دے جاتے۔ کیسے منع کرے سب کو۔ شازیہ سے دبی زبان سے شکایت کی۔ وہ اور بھی ناراض ہو گئی۔

"بس رہنے دو نخرے۔ ایک تو ان لوگوں نے جلدی مچا رکھی ہے۔ نہ ہم کوئی ڈانس کی پریکٹس کر سکے نہ گانوں کی۔ دل کھول کر ہنگامہ کرنے کا موقع بھی نہیں مل رہا۔ اوپر سے تمہارے مزاج نہیں ملتے۔ منہ بنائے پھرتی ہو۔ جیسے بڑا ظلم ہو رہا ہے تم پر ادھر نہ کوئی کراچی سے آرہا ہے نہ پشاور سے کہ کسی کے امتحان ہیں کسی کے ٹیسٹ کسی کے انٹرویو۔ اتنی سونی شادی کسی کی نہیں ہوتی۔ تمہیں ہمارا احسان مند ہونا چاہیے کہ ٹائم ملتے ہی شادیانے بجانے بیٹھ جاتے ہیں۔"

"یہ سب دکھاوا کر رہی ہے۔ دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔ منہ زبانی نخرے کر رہی ہے۔"

کسی کزن نے کہا۔ وہ بتا بھی نہ سکی کہ لڈو نہیں مرچیں پھوٹ رہی ہیں۔ تین دن کسی طور گزر گئے۔ اور وہ دن آ ہی گیا۔ مہندی کا نکاح کا۔

تائی آ گئی تھیں۔ اس کی مزاج آشنا۔ انہوں نے اس کی حالت دیکھ کر اماں کو ٹوکا۔

"بچی تو خوش نظر نہیں آتی۔ تم نے پتا کرایا تھا لڑکے والوں کا کون ہیں کہاں کے ہیں۔ کیا خاندان ہے۔ بھئی بیٹی کے سکھ کی خاطر چھان بین کرنی پڑتی ہے۔"

اماں کچھ چپ سی ہو گئیں۔ "بھابھی جان! اپنے دیور سے پوچھ لیں۔ وہی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔"

"دیکھو دلکش! ماہ نور کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے۔ اس کے لیے ایسا ہی غیر معمولی لڑکا ہونا چاہیے ہر طرح سے یکتا۔ اعلا ظرف۔ اعلا خاندان اور سکھ دینے والا۔ بیٹی کی شکل دیکھو۔ کیسی ہونق ہو رہی ہے۔ اسے اطمینان نہیں ہے۔"

"بھابھی جان! اللہ سے خیر کی دعا کریں۔ مجھے بھی بہت فکر ہے۔" اماں نے کہا۔

اللہ تعالیٰ ہی آخری سہارا ہوتا ہے۔ ماہ نور نے نماز کے بعد گڑگڑا کر اللہ سے دعا مانگی۔ اسے کچھ صبر آ ہی گیا۔ شاید یہ ضبط کا آخری مقام تھا۔ نکاح کے وقت اس پر سکتہ طاری تھا۔ وہ ایک سنگی مجسمہ بنی بیٹھی تھی۔ بے چینی کے ساتھ دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔ اماں تو گلے لگا کر روئیں بھی۔ اسے مگر رونا آیا نہ وہ ان

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل قیمت=/70 روپے

12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

1 بوتل کے لئے ---------- =/90 روپے
2 بوتلوں کے لئے ---------- =/160 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/240 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان پتوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبۂ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 2735021

سے لپٹی۔

اماں نصیحتیں کرتی رہیں۔ سہیلیاں مذاق کے موڈ میں تھیں۔ پھر کسی نے آکر کھانا لگنے کا بتایا۔ تمام لڑکیاں نیچے چلی گئیں۔ اماں بھی اس کے لیے کھانا بھیجنے کا کہہ کر چلی گئیں۔ وہ تنہا بیٹھی تھی۔ اس کے سر پر سرخ رنگ کا کام دار دوپٹہ تھا۔ کپڑے ابھی تک مایوں والے ہی پہنے ہوئے تھی۔ لڑکیوں کا کہنا تھا کہ وہ اس لباس میں بہت خوب صورت لگ رہی ہے اور سرخ دوپٹہ تو قیامت ڈھا رہا ہے۔ مگر اسے اپنی پروا کب تھی۔

بھابھی اندر آئیں۔ اسے مبارک باد دی۔ الماری میں سے کچھ نکالا یار کھا اور مسکرا کر بولیں۔

"میں زینے پر کھڑی ہوں۔ گھبرانا نہیں۔" وہ سمجھی نہیں۔ الماری کا پٹ آدھ کھلا رہ گیا۔ بھابھی نیچے چلی گئیں اور پھر دروازہ کھلا اور وہ اندر آیا۔ وہ جھپٹ کر کھڑی ہوئی۔

"کون، تم کون؟" گھبرا کر منہ سے نکلا۔ حالانکہ اس کا وہ کریم کلر شلوار قمیص اور براؤن جیکٹ جس کے گلے پر نگوں کا کام بنا ہوا تھا۔ اس کے ابا کسی بہت مہنگے بوتیک سے لے کر آئے تھے۔ داماد کے لیے نکاح کا جوڑا۔

"میں کون؟ اچھا سوال ہے۔ ذرا دل سے پوچھو۔ ابھی تو قاضی صاحب کے رجسٹر کی سیاہی بھی نہیں سوکھی ہوگی۔ جس پر پہلے تم نے پھر میں نے دستخط کیے تھے۔"

وہ عجیب انداز سے ہنس رہا تھا۔ ماہ نور کی روح اندر ہی اندر کانپ گئی۔ دل سینے سے نکل بھاگنے کو تھا۔

"تو، تو پھر؟" آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

"تو پھر ہم نے بھابھی کو رازدار بنالیا اور تم سے ملنے آگئے۔ ارے اتنی دور کیوں کھڑی ہو۔ بھئی ہم ــــ اب تو ایک ہو گئے ہیں۔ نکاح کا بندھن بہت مضبوط بندھن ہوتا ہے۔"

وہ اس کے قریب آگیا تھا۔ ماہ نور عجب مخمصے میں گرفتار تھی۔ دیکھا دیکھا لگ رہا تھا۔ مگر وہ اس کی قہر سے گھبرا رہی تھی۔

"کیا تم نے مجھے بھلا دیا؟ کمال ہے۔ ہم تو تمہارے عشق میں گرفتار تھے۔ کس طرح کوشش کر کے تم تک رسائی حاصل کی ہے۔ اسکول میں جب میں تم سے گیٹ پر ملتا تھا۔ تمہیں پارک میں بلاتا تھا۔ خوشامد کرتا تھا۔ اچھا اب پاس تو آؤ۔ اب گناہ وغیرہ کا بھی ڈر نہیں۔"

وہ تیز تیز بول رہا تھا۔ جیسے اس کی ٹرین چھوٹی جا رہی ہو۔ اسے اب کسی کا ڈر نہ تھا۔ مگر اسے جلدی کس بات کی تھی۔ وہ جھک کر پیچھے ہٹی۔ مگر وہ تو اوپر چڑھا چلا آرہا تھا۔ اف، وہ سہم رہی تھی اب۔ اب سے چند سال پہلے۔ جب وہ میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی۔ ایک لڑکا گیٹ پر اس کا منتظر رہتا تھا۔ اس کی پُرشوق نگاہوں کے جواب میں اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ مگر وہ اس کا دور تک پیچھا کرتا۔ پھر باتیں کرنے لگا۔ اور ان کے درمیان ایک بے ضرر سا تعلق قائم ہو گیا۔ وہ باتیں بھی بہت دلچسپ کرتا تھا۔ وہ انجان، نادان لڑکی کچھ سمجھے بغیر اس چالاک لڑکے کے جال میں پھنستی جا رہی تھی۔ وہ کم عمر تھی کم علم، ناتجربے کار۔ نہیں جانتی تھی کہ کس پُرخطر راستے میں قدم رکھ رہی ہے۔

وہ اس کی لچھے دار باتوں میں آکر اسکول کے قریب پارک تک بھی چلی جاتی۔ کچھ دیر بعد دیر ہونے کا عذر کر کے گھر چلی جاتی۔ مگر نومی کو اس کا عجلت میں چلے جانا پسند نہ تھا۔ اس نے پڑھائی کہ وہ کسی سہیلی کے گھر جانے کا بہانہ کر کے آجائے۔ ذرا سیر کریں گے اور باتیں۔ مگر وہ اس کے لیے راضی نہ ہوئی کہ اگر یہ جھوٹ کھل گیا تو۔ اس کی کیا عزت رہ جائے گی۔

"جھوٹ کیوں۔ واپسی پر میں تمہیں سہیلی کے گھر چھوڑ دوں گا۔"

اس نے اطمینان دلایا۔ شاید وہ اس کی باتوں میں آ ہی جاتی۔ نومی نے بہت ہمت بڑھائی تھی۔ مگر ابھی وہ عملی جامہ پہنا نہ سکی تھی کہ خالہ آگئیں۔ وہ سوچ رہی تھی خالہ کے گھر کا بہانہ کر کے چلی جائے گی۔ مگر خالہ کی کوئی لڑکی نہ تھی۔ ماموں کی بیٹی بہت چھوٹی تھی۔ پھر

ہی ان کے گھر جانے پر کسی کو اعتراض نہ ہوتا۔ لیکن طالبہ نے آتے ہی بتایا کہ ہمارے محلے کا ایک آوارہ لڑکا ایک لڑکی کو چکردے کر کسی انجان جگہ لے گیا۔ لڑکی ڈر گئی۔ لڑکے کے ارادے بھی نیک نہ تھے۔ لڑکی نے شور مچا کر اس کے ارادوں پر پانی پھیر دیا۔ اب وہ لڑکا تھانے میں ہے۔

انہوں نے اس کا حلیہ بتایا۔ وہ نومی جیسا تھا اور ماہ نور کو اس نے اسی محلے کا رہائشی بتایا تھا۔ اور کئی دن تو وہ اسکول کے گیٹ پر آیا بھی نہیں۔

ایک ہفتہ بعد نظر آیا۔ تو اس کا حلیہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ وہ تھانے میں وقت گزار کر آیا ہے۔ اب اس کا مطالبہ زور پکڑ گیا کہ۔

"چلو' اسکول سے چھٹی کر کے میرے ساتھ چلو گھوم پھر کر چھٹی کے ٹائم تمہیں یہیں چھوڑ دوں گا۔"

تجسس نے اکسایا کہ اس کے ساتھ جا کر معلوم کرے کہ یہ وہی لڑکا تو نہیں۔ ابھی کچھ جواب نہیں دے پائی تھی کہ اس کی ایک کلاس فیلو آگئی اور اسے اپنے ساتھ اسکول میں لے گئی۔

اگلے دن پھر اس نے روک لیا۔ اسکول میں ڈرامہ ہونے والا تھا۔ اس کی ریہرسل ہو رہی تھی۔ لڑکیاں پھر اسے پکڑ لے گئیں۔ کئی دن تک وہ ریہرسل کی وجہ سے دیر تک اسکول میں وقت گزارتی پھر کسی لڑکی کے ساتھ ہی واپس جاتی رہی۔ نومی گیٹ پر کھڑا دانت پیستا کرتا۔ موقع مل نہ سکا۔

ادھر ماہ نور بھی ہوشیار ہو گئی تھی۔ بلکہ شک میں مبتلا تھی۔ اور آپا جو نصیحتوں کے انبار لگاتیں۔ اس نے اسے ماں باپ کی عزت' اپنی حرمت اور خاندان کے بھرم کے احساس کو خوب اجاگر کیا تھا۔ اگر کسی نے اس کے ساتھ دیکھ لیا تو سوالات ہوں گے۔ جھوٹ بولنے میں وہ یوں بھی ایکسپرٹ نہ تھی اور چونکہ کبھی کہیں اکیلی نہیں جاتی تھی' اس لیے بھی ہمت نہ پڑی۔ امتحان بھی قریب تھے۔ وہ پڑھائی میں جُت گئی۔

پھر ایک دن نومی کو موقعہ مل گیا۔ وہ اس سے جواب طلبی کرنے لگا۔ اس نے اظہارِ محبت بھی کیا۔ جو ماہ نور کو عجیب لگا۔ اس کا انداز جارحانہ تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ کسی بھی طرح۔ وہ غصے میں تھا کہ وہ اس کی محبت کے جواب میں آنا کانی کیوں کر رہی ہے۔ مثبت جواب کیوں نہیں دیتی۔ وہ بتا رہی تھی کہ پڑھائی بھی ضروری ہے وہ فرسٹ ڈویژن کے لیے محنت کر رہی ہے تاکہ کسی اچھے کالج میں داخلہ ہو سکے۔ جو اس کے والدین کی بھی خواہش ہے۔ مگر نومی زبردستی کر رہا تھا وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کچھ قدم تک لے چلا۔ ماہ نور ڈر گئی۔

نومی کی گرفت بہت سخت تھی۔ وہ تو اس کی چند کلاس فیلوز اسے تلاش کرتی ہوئی آگئیں تو اس کی ہمت بڑھی وہ نومی کے غصے کی پروا کیے بغیر ہاتھ چھڑا کر ان کے ساتھ اسکول آگئی۔ ان کے سوال پر اس نے بتا دیا تھا کہ وہ اس لڑکے کو جانتی نہیں۔ وہ خود ہی اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ اس کی ایک سہیلی نے کہا۔

"خبردار۔ ایسی غلطی نہ کرنا۔ مجھے تو یہ کوئی لفنگا لگتا ہے۔ تم اس سے سختی سے بات کرو۔ ہمارے مذہب میں بھی حکم ہے کہ غیر مرد سے عورت کو سختی سے بات کرنا چاہیے۔ نرمی مرد کو نڈر بناتی ہے۔ تم تو ڈر رہی تھیں۔"

"مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ شور کر کے لوگوں کو متوجہ نہ کر لے۔"

"تم الٹی بات کر رہی ہو۔ اگر وہ غلط حرکت کرے تو شور تم کو مچانا چاہیے۔ اگر اسی طرح ڈرتی رہیں تو وہ تم پر حاوی ہو جائے گا۔ تم اس کے فریب میں آکر کوئی غلط قدم اٹھاؤ گی ماں باپ کی بدنامی ہو گی اور تمہاری زندگی خراب ہو گی۔ میری امی نے مجھے بہت سختی سے منع کیا ہے کہ کسی لڑکے کی بات نہ سنوں۔ نہ اس کی بات کا یقین کروں۔ بس اپنی پڑھائی سے کام رکھوں۔ اسی میں بھلائی ہے۔ لڑکوں سے دوستی تو بہت ہی غلط ہے۔ کیونکہ ایسے ویسے راہ چلتے لڑکے بہت چالاک ہوتے ہیں۔ مطلب نکال کر رفو چکر ہو جاتے ہیں۔"

اس نے کئی واقعات سنائے جو اس کی امی نے اسے

[illegible] اسکول [illegible] لڑکی کا ساتھ تلاش کرتی [illegible] پھر لڑکیوں نے [illegible] اس کی شکایت کر دی۔ پہلے دن تو اسے [illegible] پھر پرنسپل کی ہدایت پر چوکیدار نے اس کی مرمت کر ڈالی اور پولیس کا ڈراوا دے کر اسے دور بھگا دیا۔

ماہ نور نے سنا تو وہ بہت ڈری۔ فطری طور پر وہ ایک بزدل لڑکی تھی۔ مگر نومی کو مسلسل دیکھ کر کچھ بے تکلفی ہو گئی تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ وہ اس کی بات مان لیتی۔ امتحان کے لیے چھٹیاں ہو گئیں اور سینٹر بھی دور تھا۔ نومی نظر نہ آیا اور وہ بے حد مصروف ہو گئی۔ فرسٹ ڈویژن کے لیے اس کی محنت میں شدت آ گئی تھی۔ وہ تقریباً" بھول ہی گئی کہ کوئی لڑکا نومی تھا۔ جس نے اسے ڈسٹرب کیا تھا بلکہ اظہارِ محبت بھی کر ڈالا۔ جبکہ وہ محبت کے جذبے سے آگاہ نہ تھی۔ نہ ہی ایسی باتیں پسند کرتی تھی۔ گھر کا ماحول بھی مذہبی تھا۔ خاندان بھی روشن خیال نہ تھا گو کہ بہت فرسودہ نہ تھا۔ جائز آزادی تھی۔ لڑکیاں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ سختی یا پابندی نہ تھی۔ کالج پہنچنے تک وہ برے بھلے میں تمیز کرنے لگی۔ اسے اپنی حدود سے آگہی ہو گئی۔ بلکہ اب تو اسے ادراک ہونے لگا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ اس کی چھٹی حس اسے خبردار کر دیتی۔ وہ ہوشیار ہو جاتی۔ کبھی وہ اپنے خیالات اور خدشات کو زبان دے دیتی۔ کچھ لوگ مذاق اڑاتے۔ کچھ غور کرتے۔

تائی تو اس کی قائل ہو گئی تھیں اور اسے ولی سمجھنے لگیں۔ یہی حس تھی جو شادی کے وقت اسے کسی برے وقت سے آگاہ کر رہی تھی مگر کوئی سننے کو تیار تھا نہ ماننے کو۔ اماں کا کہنا تھا لڑکا انجینئر ہے۔ باہر ہے۔ اس کی ماں کا کہنا تھا اس کے پاس سب کچھ موجود ہے جہیز کی طلب نہیں ہے۔

ابا کو جلدی تھی۔ بھیا صاحب کسی سے واقف نہ تھے۔ لڑکے سے مل کر سب نے اوکے کر دیا اور اب۔

وہ اس کے شوہر کی حیثیت سے اس کے کمرے میں موجود تھا۔ وہ بھولی بسری کہانی۔ نو عمری کی نادانی اور حماقت نومی ہاں وہ نومی تھا۔

"ڈرو نہیں میں تمہاری بھابھی کی اجازت سے آیا ہوں۔ صرف دس منٹ کا وقت ہے میرے پاس آؤ میری بلبل! میں تمہارے حسن کو خراج پیش کروں۔" وہ جارحانہ انداز سے اس کی طرف بڑھا۔ ماہ نور پیچھے ہٹی۔

"دیکھیں، کل تو رخصتی ہے آ۔۔۔ آپ یہ کیا کر رہے ہیں کل۔۔۔" وہ مزید پیچھے ہٹی۔

"رخصتی؟ کیسی رخصتی؟ ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ ہا بھول جاؤ۔ میں رخصتی کا جھول نہیں پالنا چاہتا۔ نہ میرا ایسا کوئی ارادہ تھا۔ میں تو تم سے انتقام لینے کے لیے آیا ہوں۔ یہ سارا چکر ہی میں نے تمہیں برباد کرنے کے لیے چلایا۔ میرا یہاں کوئی گھر نہیں۔ آیا سمجھ میں؟"

ماہ نور کے جسم کا ایک ایک رواں کھڑا ہو گیا۔ وہ اس کی دیدہ دلیری پر حیران ہو گئی۔

"لیکن۔ وہ جو آپ کی امی۔ بہنیں۔۔۔"

"وہ میری کوئی نہیں ہیں۔" وہ غرا کر اس کی طرف جھپٹا۔ "آؤ مجھے دیر پسند نہیں۔ تم نے۔۔۔ پرنسپل سے شکایت کر کے میری پٹائی کروائی۔ کوئی مرد اپنی انسلٹ نہیں بھولتا۔ تم نے مجھے میرے مقصد میں ناکام کروایا میں تم ہی سے تمہیں حاصل کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔"

نومی کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا وہ اس پر کسی شکرے کی طرح جھپٹا۔ وہ طاقت استعمال کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"دیکھیں، دیکھیں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ ابھی میں اپنے ماں باپ کے گھر ہوں۔"

ماہ نور اس کے حملوں سے بچنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ نومی جذبات کے غلبے کے زیر اثر کچھ کمزور پڑ رہا تھا۔

"ہاں۔ یہ بھی میرا پلان تھا۔ میں تمہیں۔ تمہارے ماں باپ کے گھر پر ہی برباد کر کے اپنی۔۔۔ روح کو

تسکین پہنچانا چاہتا تھا۔ مجھے تمہارے سارے بہانے یاد ہیں۔ اب تمہیں مجھ سے بچانے والا کوئی نہیں۔"

اس نے ماہ نور کا دوپٹہ کھینچ کر پیچھے پھینک دیا۔ ماہ نور مگر اب شیرنی بن چکی تھی۔ غصہ تو اس کو بھی آرہا تھا۔ اچانک نومی نے جیب سے کچھ کاغذات نکالے۔ ایک ہاتھ سے وہ ماہ نور کو جکڑ چکا تھا۔

"یہ لو یہ طلاق نامہ ہے۔ شریعت کے مطابق۔ نکاح کے بعد ہی میں نے دو ستوں کی موجودگی میں اس پر سائن کیے ہیں۔ تاکہ تمہیں بے عزت کر کے خود آزاد ہو جاؤں ہاہا تمہاری بھابھی باہر سے دروازہ بند کر کے کھانا کھانے جا چکی ہیں۔ اب تمہیں مجھ سے بچانے والا کون ہے؟ کہاں ہے پرنسپل۔ اسکول کا چوکیدار بولو۔"

ماہ نور اس کی گرفت میں کسمسائی۔ وہ شیرنی اب زخمی شیرنی بن چکی تھی۔ خود کو کھینچ کر دروازے تک پہنچی۔ دھڑ سے ٹکرائی اور اس کے حلق سے تیز بلند چیخ برآمد ہوئی۔

"بھابھی!" وہ ہنستے ہوئے آکر اس سے چپک گیا اور اس سے پہلے کہ کوئی بدتمیزی کرتا۔ ماہ نور نے اس کو زور سے دھکا دیا۔ دروازے پر کھڑ بڑ۔ دھڑ دھڑ سن کر ماہ نور کی چیخ سن کر بھابھی جو وہیں کھڑی تھیں۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔ ان کا منہ کھل گیا حیرت سے۔ اندر کا منظر بھی عجیب تھا۔ ماہ نور دروازے پر گری پڑی تھی اور نومی اسے کھینچ رہا تھا۔

ادھر بھابھی اندر آئیں۔ ساتھ ہی خالہ کا بیٹا راشد جو اپنی فوجی یونیفارم میں تھا اور اس کی شادی اٹینڈ کرنے ہی اپنی یونٹ سے سیدھا ادھر آیا تھا۔ اندر آ گیا۔ وہ حیران اندر کا سین دیکھ رہا تھا۔ مگر آن واحد میں کچھ سمجھ گیا۔ اس نے نومی کو کالر سے پکڑ کر گھسیٹا۔ بھابی نے ماہ نور کو اٹھایا۔ جو مدد پہنچتے ہی نڈھال ہو گئی تھی۔ راشد نے سوالیہ نظروں سے ماہ نور کو دیکھا۔

"یہ' یہ سلوک ہوتا ہے آپ کے گھر میں داماد کے ساتھ؟"

نومی لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔ اس کے قدم بھی برابر نہ تھے۔ وہ گرنے کو تھا مگر راشد نے اسے بازو سے پکڑ رکھا تھا۔ اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ نومی ہل بھی نہ سکا۔

"کیا ہوا ہے ماہا؟"

راشد نے پوچھا اور اس کی ہمدرد آواز نے ماہ نور کے جسم میں بجلی بھر دی۔ جھپٹ کر پلنگ سے وہ کاغذات اٹھائے اور راشد کے ہاتھ میں دے دیے۔ جو نومی نے اس کے منہ پر مارے تھے اور خود پلنگ پر گر گئی۔ جس ماں باپ کی عزت کے لیے اس نے خود کو سنبھال کر رکھا تھا۔ آج وہ اس عزت کو کس منزل پر لے آئی تھی۔ محض نادانی کی بدولت۔ نومی کھسیانی ہنسی ہنس رہا تھا۔

"ارے یہ تو مذاق..... مذاق میں لکھا تھا میں نے۔ بس یونہی تنگ کرنے کے لیے....."

راشد نے بھابھی کو کاغذات دے دیے۔

"سچ کہتا ہوں۔ میں بس ایسے ہی جذباتی ہو گیا تھا۔" نومی اب گھبرایا ہوا بلکہ خوف زدہ نظر آرہا تھا۔ راشد نے اس کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ بھابھی نے بڑھ کر نومی کو زور سے تھپڑ مارا۔ اسی وقت اماں اندر آ گئیں۔ بھیا آ گئے۔ کمرے کی فضا کشیدہ تھی۔ بھیا نے بڑھ کر اماں کو کاغذات پکڑائے۔ وہ تو وہیں پلنگ پر گر گئیں۔ ماہ نور پر کپکپی طاری ہو گئی۔

"قسم سے یہ مذاق ہے۔ حلفاً کہتا ہوں۔ مذاق ہے۔" نومی چلا رہا تھا۔

بھیا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کیا کریں۔ کیا سمجھیں۔ تب ہی بھابھی لپک کر الماری تک گئیں۔ کھلے پٹ سے انہوں نے چھوٹا ٹیپ ریکارڈر برآمد کیا اور اسے سیٹ کر کے چلایا۔ ابھی تک کی ساری گفتگو۔ نومی کی بے ہودہ باتیں اور آوازیں۔

راز فاش ہو گیا تھا۔ اب نومی کانپ رہا تھا۔ بھیا جو گومگو میں تھے۔ اشتعال میں آ گئے۔ نومی کی لرزتی ٹانگوں کی پروا کیے بغیر اس پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ راشد نے کہا۔

"چھوڑیں بھائی۔ ابھی پولیس کے حوالے کرتا ہوں اسے۔"

نومی کی حالت خراب تھی۔ لرزتے کانپتے وہ خوشامدیں کر رہا تھا۔ پھر اس نے سنبھل کر نئی بات کی۔

"یہ تو کاغذات کل ہی میں نے لکھ کر سائن کر دیے تھے۔ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اب میں ساری عمر اس کو طلاق نہیں دوں گا۔ پڑی رہے۔۔۔"

اماں سے تو بولا جا رہا تھا نہ کھڑے ہونے کی سکت تھی۔ راشد سمجھا رہا تھا۔ "خالہ جان۔ شکر ادا کریں۔ عزت بچ گئی۔"

"یہ۔۔۔ یہ جو کہہ رہا ہے۔"

"کہنے دیں۔ ابھی پتا چل جائے گا۔ جھوٹ بول رہا ہے یہ۔"

نومی کی ماں بہنیں، اس کے دوست، پولیس کے نرغے میں تھے۔ ماں بہنوں نے بتایا کہ یہ لڑکا خود ہی ان کے گھر آتا تھا لاوارث ہے۔ مجھے ماں کہنے لگا۔ لڑکیوں کو بہن بنا لیا۔ ہمیں تو بھلا لگتا تھا گھر کے کام بھی کر دیتا تھا۔"

"اس نے ہم سے خود ہی شادی کی خواہش کی۔ اس کے بتائے ہوئے گھر ہم رشتہ لے گئے۔ ہمارا اس میں کوئی فائدہ نہ تھا نہ نقصان۔"

"میں نے تو محض شرارت میں ٹیپ ریکارڈ لگایا تھا۔" بھابھی سب کو بتا رہی تھیں۔ "تاکہ ماہ نور کو بعد میں چھیڑوں۔ کیا خبر تھی کہ یہ اتنا اہم ثبوت ہو گا۔"

پولیس نے دوستوں سے بھی سب اگلوا لیا۔ طلاق نامے پر اس نے نکاح کے بعد ہی سائن کیے تھے اور گواہی میں دوستوں سے کروائے تھے۔ اس وقت کھانے کے لیے سب جا چکے تھے۔ نومی نے انہیں بتایا تھا کہ ان لوگوں نے بھی اس کی بہن سے شادی کر کے اسے طلاق دی تھی اس لیے وہ انتقام لے رہا ہے۔ ہم نے سائن کیے اور کھانا کھانے چلے گئے۔ غرضیکہ شادی کا گھر آن واحد میں سوگ میں ڈوب گیا۔

"بھائی جان! شکر ادا کریں۔ خالہ جان نفل ادا کریں۔ کچھ نقصان نہیں ہوا۔"

راشد برابر سمجھا رہا تھا۔ دوستوں کی گواہی کے بعد نومی تھانے میں تھا۔ اور جیل اس کا مقدر۔ دوستوں نے بھی جان چھڑائی۔ مگر اماں کو رسوائی کے غم نے مریض بنا دیا۔

"یہ تو بار بار بہت کہتی رہی کہ اچھی طرح تحقیق کروالیں۔ میرا دل نہیں مانتا۔ میں نے ہی پروانہ کی۔ یہی سوچا کہ کسی طور اپنے گھر بار کی ہو جائے۔"

"خالہ جان۔ کیا بیٹیاں بوجھ ہوتی ہیں کہ کسی طرح بھی اتار پھینکو۔ خواہ کنواں ہو۔ یا کھائی۔ بیٹے بیٹی سے فرق رکھنا ہمارا وتیرہ بن گیا ہے۔"

"بیٹا! محبت تو بیٹے سے بھی اتنی ہوتی ہے جتنی بیٹی سے۔ بیٹی کے نصیب اچھے ہوں تو جتنی خوشی ماں باپ کو ہوتی ہے۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہم نے تو سب اچھا دیکھ کر ہی رشتہ کیا تھا۔ آخری بڑی کی بھی شادی کی تھی۔ وہ خوش ہے۔"

"آپ بھول رہی ہیں۔ وہ شادی اپنوں میں ہوئی ہے۔ غیروں میں نہیں۔ غیروں میں بیٹی دیتے ہوئے آپ لوگوں نے چھان بین کی ہی نہیں۔ بس لڑکے کو دیکھا اور اس کی لفاظی پر یقین کر لیا۔ پھر آپ کہتی ہیں بیٹی کے نصیب اچھے نہیں۔ بہرحال شکر ادا کریں۔ نقصان نہیں ہوا۔ اللہ نے مدد کی ہے ورنہ۔۔۔"

تائی نے بھی ابا اماں کو تسلی دی۔

"ارے میں تو لڑکی کی صورت دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی کہ اس کا دل راضی نہیں۔ پہلے بھی کئی بار اسے وقت سے پہلے معلوم ہو جاتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ مگر تم ماں باپ اس بات پر یقین نہیں کرتے۔ سوچو کہ رخصتی کے بعد وہ اسے چھوڑ کر چلا جاتا تو کیا ہوتا۔ بس اب اس بارے میں کچھ نہ سوچو۔ اللہ کی بہتری اسی میں ہے۔ بچی کو دلاسا دو۔ کیسا پیلا رنگ ہو رہا ہے۔ مرجھا گئی بچی۔ اس کا تو کوئی قصور نہیں۔ اور اس ٹیپ کی باتیں تو ثابت کرتی ہیں کہ ماہ نور نے اس کی حوصلہ افزائی کی ہی نہیں۔ بلکہ سزا بھی دلوائی۔ ایسی لڑکی کے ماں باپ ہونے پر تمہیں فخر کرنا چاہیے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ شہاب میاں تو اس بچی سے مخاطب ہی نہیں ہوتے۔ ارے بابا! اس کو کیوں تم لوگوں نے مکو بنا دیا ہے۔ منہ چھپائے کمرے میں گھسی رہتی ہے۔ اسے

ااؤ پیار کرو۔ بھول جاؤ کہ اس کے ساتھ کوئی واقعہ ہوا ہے۔"

تائی نے دیور، دیورانی کی خوب خبر لی۔ ماہ نور شکر ادا کرتی کہ ٹیپ میں کہیں بھی اس کی پارک میں ملاقات کا ذکر نہ تھا۔ وہ نومی کی شکر گزار تھی کہ اس نے کہیں بھی ایسی بات نہ کی تھی۔ ورنہ وہ بھی مجرم ٹھہرائی جاتی۔ اس کے باوجود وہ اماں ابا کا سامنا کرنے سے شرماتی۔ وہ خود تو کچھ نہ کچھ اس جرم میں شریک تھی ہی۔ خواہ وہ بچپن کی نادانی ہو۔ حماقت ہو یا گل پن۔ نہ جانے ان لڑکیوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جو اس قسم کے عمل کی مرتکب ہوتی ہیں۔ ماں باپ کی محبتوں کا صلہ کیا اس طرح دینا چاہیے۔ اپنی چند روزہ جذباتیت اور دلچسپی کے عوض بدنامی۔ رسوائی، اوہ کتنا تکلیف دہ اور ساتھ ہے خطرناک عمل ہوتا ہے۔ وہ خود پر نفرین بھیجتی۔

شادی جس طرح غمی میں بدل گئی تھی۔ اماں بیمار ابا گم صم۔ لوگوں کی مختلف آراء، تبصرے ہر کوئی تائی امی نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی خالہ امی جو مستقل شکر ادا کرنے کی تلقین کرتیں۔ انہیں ماہ نور کے کردار پر پورا یقین تھا۔ اس کی معصومیت پاکیزگی کی گواہی دیتے نہ تھکتیں۔ مگر ماہ نور..... خود کو معصوم نہیں سمجھتی تھی۔ کچھ نہ کچھ تو اس کی غلطی بھی تھی اور اس غلطی کی سزا نہ جانے کب تک اسے بھی جھیلنا تھی۔

☆ ☆ ☆

پھر کچھ دن کے بعد..... ابا نے اپنے حصار کو توڑ کر ماہ نور کو گلے لگایا۔ پیار کیا، سمجھایا۔

"تمہارا کوئی قصور نہیں پھر کیوں کمرے میں قید رہتی ہو۔ باہر آؤ۔ تمہاری ماں کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تمہاری سہیلیاں تمہیں پوچھتی ہیں۔ کسی کو بھی اس معاملے میں تم پر شک نہیں ہے بیٹا۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو چکا ہے۔"

وہ ابا سے لپٹی آنسو بہا رہی تھی۔ زبان سے کچھ نہ کہہ سکی۔ مگر ابا نے اسے رونے دیا۔

"بیٹا یہ دنیا ہے۔ یہاں تو روز ایسے تماشے ہوا کرتے ہیں۔ یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ مگر..... معاشرہ برے لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ مگر اچھے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے اور تم بھی..... ان اچھے لوگوں میں ہو۔ جو کچھ ہوا۔ اس میں میری جلد بازی کا بھی دخل ہے۔ خیر اب اس تکلیف دہ واقعہ کو بھلا دینا ہی بہتر ہے۔ سمجھو وہ ہماری زندگی میں ہوا ہی نہیں۔"

ابا نے تو سارے کانٹے چن لیے۔ اماں تو یوں بھی تائی امی کے زیر عتاب تھیں۔ تائی کو تو اس پر ایسا یقین تھا جیسے وہ پیر یا ولی ہو۔ جس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ ان کی پبلسٹی نے بھی خاصا کام دکھایا تھا۔ اور وہ لوگوں کو باور کرانے میں کامیاب ہو گئی تھیں کہ ماہ نور بے قصور ہے۔ وہ لڑکا ہی خبیث اور لوفر تھا۔

ماہ نور نے بھی خود ساختہ قید ختم کر دی۔ سب کچھ نارمل ہو گیا تھا۔ ماحول گھر کی فضا۔ سب کے رویے۔ شازیہ جو بہت ہی شرمندہ تھی۔ رو رو کر معافی مانگتی۔

"اچھا ہوا جو تمہاری زندگی محفوظ رہی۔ ورنہ رخصتی کے بعد پھر..... اور اب تو اس کی منہ بولی اماں بھی بتاتی ہیں کہ وہ تو تھا ہی بدکردار۔ اس نے ان کا قرض ادا کر دیا تھا۔ جس کے بدلے انہوں نے اسے اپنے گھر میں جگہ دے دی۔ ان کی خوش نصیبی تھی کہ ان کی بیٹیوں سے لاتعلق رہتا تھا۔ مگر آئے دن اس کا تھانے میں بسیرا ہوتا۔ اس کی خراب شہرت کی وجہ سے انہوں نے گھر بدلا تھا۔ لیکن وہ انہیں تلاش کرتا ہوا آ گیا۔ کچھ عرصے کے لیے دوبئی گیا تھا۔ انہوں نے کہہ دیا تھا شادی کے بعد اپنا ٹھکانا تلاش کر لینا۔ اس نے یقین دلا دیا کہ وہ اپنے دوست کے گھر رہے گا۔ پھر بیوی کو دوبئی لے جائے گا۔ اسی کے سبق پڑھانے پر وہ اداکاری کے جوہر دکھاتی رہیں۔ اب وہ معافی مانگنے کے لیے آنا چاہتی ہیں۔ ان کی بیٹی کی بھی شادی ہونے والی ہے۔ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہے۔"

اور اماں نے انہیں معاف کر دیا اور ان کی بیٹی کو دعائیں بھی دیں۔ دراصل وہ ڈر گئی تھیں کہ کہیں اماں کی آہ ان کی بیٹی کے نصیبوں کو نہ کھا جائے۔ حالانکہ ماہ نور بھی کسی کی بیٹی تھی مگر اس وقت انہیں یہ خیال نہ

آیا کہ وہ اپنے عمل سے کسی کی بیٹی کی زندگی سے کھیل کر رہی ہیں۔ غلط بیانی ہی کرتی رہیں کہ ماہ نور کو ان کے رویے ہی اکھڑے اکھڑے لگ رہے تھے۔

تائی امی کی وساطت سے ایک رشتہ آیا۔ اماں نے ماہ نور سے پوچھا ضرور لیکن ماہ نور جو خود بھی تائی امی کی محبتوں کی اسیر تھی قدر دان تھی۔ ان کی فہم و فراست کی قائل تھی۔ جانتی تھی تائی کبھی بھی ان کے لیے غلط رشتہ نہیں لائیں گی۔ میرے لیے یہ بہتر ہے۔ اس کے دل نے گواہی دی۔ اس بار اس کو تصویر بھی دکھائی گئی۔ شاید اس کے صبر کا انعام تھا۔ یا اس کی اللہ تعالیٰ سے معافیوں کا صلہ کہ اس کے دل کو اب قرار آگیا تھا۔ نہ کسی خدشے نے سر ابھارا نہ کوئی اضطراب پریشان کر سکا۔ وہ چپ چاپ اس شخص کی بیوی بن گئی۔ جو ایک بیوی کو طلاق دے چکا تھا۔ اور ایک بچے کا باپ تھا۔ اس بار اماں نے خاصی چھان بین کی تھی اور چونکہ تائی کی سفارش بھی تھی۔ کسی نے بھی اعتراض نہ کیا۔ تائی کی ان لوگوں سے رشتہ داری تھی اور لڑکی کی ماں سے دوستی بھی۔

اماں کو دوبئی کا رشتہ اس لیے بھی پسند تھا کہ بیٹی کی سسرال نزدیک ہے۔ اور وہ دوبئی میں عیش کرے گی۔ اس رشتے میں کئی الجھنیں تھیں۔ وہ دوسری بیوی ہوگی۔ ایک بچے کی سوتیلی ماں ہوگی۔ نہ جانے کیسا رویہ ہو گا۔ مگر تائی نے ہر طرح اطمینان دلایا تھا۔ بیٹیوں کے نصیب۔ نہ جانے یہ بھی ایک جوا ہے یا کیا ہے۔ کسی طرح اطمینان ہوتا نہیں۔

☼ ☼ ☼

کھڑکی سے صبح کی کرن نے پردوں کے درمیان جھری سے اندر جھانکا تھا۔ روشنی سیدھی ماہ نور کی آنکھوں میں آئی۔ پٹ سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔ کرنوں کے رقص نے والہانہ استقبال کیا۔ اسے ہنسی آگئی۔ واہ میرے مولا۔ نیند سے بیدار کرنے کا اچھا طریقہ ہے۔ پردے کھسکائے تو پوری دھوپ اندر آگئی۔ خوش گوار حرارت۔ طبیعت میں سرور پیدا ہوا۔ دراصل وہ خوش تھی۔ یہ اس کی زندگی کے خوش گوار لمحات تھے۔

صبر و قناعت اس کی فطرت میں شامل تھی اور کوئی اعلا درجے کے خواب بھی نہیں دیکھتی تھی۔ ایک تلخ تجربے کے بعد اس نے مزید صبر کی عادت ڈال لی تھی۔ وہ ہر طرح کے حالات سے نمٹنے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔ سجاد سنجیدہ مزاج کے انسان تھے۔ انہوں نے اپنے سلوک سے اسے بہت زیادہ خوشی نہیں دی تو ناخوش بھی نہیں کیا۔ اسے علم تھا۔ وہ بیوی کے جانے کے بعد خاصے ڈسٹرب رہے تھے۔ پھر ایک چھوٹے بچے کی پرورش، سجاد کی امی بہت ضعیف تو نہ تھیں۔ مگر کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا رہتی تھیں۔ بچے کو سنبھالنا ان کے لیے مشکل تھا۔

فواد ابا اور بے فکرا نوجوان تھا۔ دو نندیں شادی شدہ تھیں۔ ایک سعودی عرب میں تھیں۔ دوسری قریب کے محلے میں تھیں۔ موقعہ ملتے ہی آجاتی تھیں۔ اس کی نند ریحانہ نے کئی بار اسے سنایا کہ سجاد عورت کے بارے میں مشکوک ہیں۔ انہیں عورت پر اعتبار نہیں۔

ریحانہ نے اسے کئی بار تنبیہہ کی کہ اگر وہ سجاد کی مرضی کے خلاف کوئی بھی کام کرے گی۔ سجاد اس سے بد دل ہو جائیں گے۔ ریحانہ اکثر شوہر کے ساتھ دیر رات میں آتی۔ ماہ نور کے لیے یہ وقت بے زاری کا ہوتا۔ دن بھر کی تھکن کے بعد دیر تک جاگنا اس کے لیے مشکل ہوتا۔ سجاد تو معذرت کر کے سونے کے لیے چلے جاتے۔

ماہ نور کو اخلاقاً بیٹھنا پڑتا۔ گھر کے داماد کی خاطر مدارات کرنا پڑتی۔ زیادہ باتیں اسے آتی نہ تھیں۔ خاموشی سے ان کی خاطر کیے جاتی۔ چائے، کافی، کیک یا کوک، ریحانہ تنقیدی نظروں سے اسے گھورا کرتی۔ جبکہ نندوئی کی نظروں میں ستائش ہوتی۔ جوں ہی ماہ نور کسی بھی کام سے کمرے سے باہر آتی۔ ریحانہ جھک کر ماں سے سرگوشیاں کرنے لگتی۔

وہ جانتی تھی۔ یہاں آنے والی تمام خواتین محض

جنس کی تسکین کے ساتھ کیسا ہے"۔ زبان سے ہی نہیں نظروں سے بھی یہی سوال کرتیں۔ اسے بہت تکلی محسوس ہوتی۔ بعض اوقات ساس بھی ایسے جرح کرتیں۔ جیسے وہ مجرم ہو۔ حالانکہ شادی کے وقت اس نے ہر پہلو پر غور کرکے ہی آمادگی ظاہر کی تھی اسے تائی امی پر بہت بھروسا تھا۔ اسی لیے بچے کی موجودگی پر اسے کوئی اعتراض نہ ہوا اور وہ بچہ اتنا پیارا تھا کہ شاید کوئی بھی لڑکی اس سے بدسلوکی یا نفرت نہ کرپاتی۔

پہلی نظر میں ہی وہ اسے بہت اپنا اپنا سا لگا۔ گود میں لیتے ہی اس کے نرم گرم لمس نے اسے اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا۔ اس کے نرم ریشمی سنہرے بال گورا رنگ اور چمک دار سیاہ آنکھیں اس کو حسین بنانے میں مددگار تھیں۔ وہ اسے گود میں بٹھا کر خوب پیار کرتی۔ گدگدی کرکے ہنساتی، نہلاتی اور اس کے ساتھ لیٹ کر اسے سلاتی وہ ہر وہ کام کرتی جو ایک ماں کے فرائض میں داخل ہے۔

وہ جانتی تھی کہ دراصل وہ اس بچے کی پرورش کے لیے ہی لائی گئی ہے۔ اس پیارے بچے کو اس کی ماں چھ ماہ کا چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ ماہ نور نے کسی سے بھی سوال نہ کیا۔ کوئی وجہ جاننے کی کبھی کوشش نہ کی۔ اسے ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنا چاہتی تھی۔ سجاد چاہتے تھے وہ اس بچے کو ماں کا پیار دے۔ تحفظ کرے۔ اس کا خیال رکھے۔ وہ بھی یہی کر رہی تھی۔

سجاد بھی بہت کم گو تھے۔ نپی تلی ضروری گفتگو کے سوا فالتو بات نہ کرتے۔ اپنی اماں کے سامنے تو ماہ نور سے مخاطب بھی نہ ہوتے۔ البتہ تنہائی میں وہ اس سے بات کرتے بھی تو زیادہ تر سوالات بچے سے متعلق ہوتے۔ اس نے کیا کھایا۔ کتنا کھایا۔ کتنی دیر سویا۔ نہاتے ہوئے رویا تو نہیں۔ یا پھر اماں کے بارے میں۔ ان کی طبیعت کیسی رہی۔ دوائیں غذا ان کے آرام کی فکر۔

کبھی وہ سوچتی۔ اس کی حیثیت محض ایک سیکریٹری کی ہے۔ جس کو بس جواب دینا ہے۔ سجاد نے کبھی ماہ نور کی ستائش نہیں کی۔ کبھی اسے سراہا نہیں۔ وہ اس معاملے میں خاصے محتاط تھے۔ وہ پھر بھی ناخوش نہ تھی اور پرامید بھی کہ کبھی ایسا وقت ضرور آئے گا جب وہ انہیں اپنی محبت اور صلاحیت سے اپنا گرویدہ بنالے گی۔ ان کے سرد اور بے مہر رویے کو تبدیل کرلے گی۔

اس کا دل ابھی تک تو کسی غیر معمولی یا پریشان کن واقعے کی خبر نہیں دے رہا تھا۔ اس کی وہ پوشیدہ حس بھی جیسے سوئی ہوئی تھی۔ جو پہلے اکثر ہی اس کی الجھن اور اضطراب کا باعث بنتی تھی۔ کب وہ سجاد کو اپنی طرف راغب کرے گی۔ کب وہ بھی اس کی صلاحیتوں سے آگاہ ہو کر اس پر محبت کا اظہار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے؟"

یہ ایک سوالیہ نشان تھا اور وہ اس ساعت کی منتظر تھی۔ مگر بے چین نہ تھی۔ صبر قناعت اور برداشت۔ یہی اس کی فطرت تھی اور یہ خصوصیات کسی معاملے میں اسے ناکام نہ ہونے دیتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

فواد کی کلاس پکنک پر جارہی تھی۔ اس نے ماہ نور سے زبردست قسم کے لنچ کی فرمائش کی تھی اور اب کچن میں اس کے سر پر سوار جلدی جلدی کی رٹ لگا رہا تھا۔

اس دن ریحانہ بچوں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں اور ماہ نور سے حلیم کی فرمائش کی تھی۔ فواد کے لیے لنچ بنانے کے ساتھ وہ حلیم کی تیاری بھی کر رہی تھی۔ گھر میں کھانا پکانے والی بھی موجود تھی۔ مگر ریحانہ کو ماہ نور کے ہاتھ سے پکی ہوئی حلیم کھانے کا موڈ تھا۔ سینڈوچز بنا کر اس نے ایک ڈبے میں رکھے۔ اب فرنچ ٹوسٹ بنا رہی تھی۔

"میٹھا زیادہ بنائیے گا۔ میرے سارے دوستوں کو میٹھا پسند ہے۔ یہ فرنچ ٹوسٹ تو بہت کم ہیں۔" فواد کا منہ بن گیا۔ "اتنے تو میں اکیلا کھالوں گا۔ باقی سب کیا کھائیں گے۔"

"اچھا تو بھائی! ایک ڈبل روٹی اور لے آؤ۔ ابھی بنا

رہی ہوں۔" ماہ نور نے فریج ٹوسٹ گن کر ڈبے میں رکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ریحانہ نے بچن میں آ کر سختی سے کہا۔ "اب کیا تم دن بھر ان نواب زادے کے مفت خورے دوستوں کے لیے لنچ بناتی رہو گی۔ ہم بھی لنچ کے لیے آئے ہیں۔ چلو فواد اٹھاؤ یہ سب اور چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

انہوں نے ڈبے بند کر کے فواد کے ہاتھ میں ٹھونسے۔ فواد کا چہرہ اتر گیا۔ وہ کچھ کہنے کو ہوا۔ پھر منہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

ماہ نور کو تاسف نے آگھیرا۔ کتنا خوش تھا کچھ دیر پہلے تک چہک رہا تھا مذاق کر رہا تھا۔ لطیفے سنا رہا تھا۔ دوستوں کی نقل کر کے ماہ نور کو ہنسا رہا تھا۔ آن واحد میں چہرہ فق ہو گیا۔ سنجیدہ بلکہ رنجیدہ سا ہو کر باہر نکل گیا۔ ارے بہن ہو کر یہ زیادتی چھوٹے بھائی کے ساتھ ایسا رویہ؟ کھسیانا ہو گیا بے چارا۔ حلیم گھونٹے وقت تک اسے فواد کا خیال آتا رہا۔ وہ خود بھی شرمسار تھی۔ مگر ریحانہ سے کچھ کہہ نہ سکی۔

حلیم کافی اچھی بن گئی۔ حالانکہ اس نے بے دلی سے بنائی تھی۔ کھانا کھا کر اور اپنے شوہر کے لیے حلیم کا ڈش لے کر ریحانہ تو چلی گئیں۔ ماہ نور بھی تھکی ہوئی تھی۔ عماد کو لے کر لیٹ گئی۔ اسے تھپک تھپک کر سلایا اور خود بھی سو گئی۔ نہ جانے کتنی دیر تک سوتی رہی۔ شام کو آنکھ کھلی۔ عماد اس کی پلکیں نوچ رہا تھا۔ نتھنوں میں انگلی ڈال کر جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ گھبرا کر جاگی۔ عماد کی حرکت پر ہنسی آ گئی اسے لپٹا کر گدگدا کر بولی۔

"شرارت' اس شرارت' شریر بچے۔" دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو کر قہقہے لگا رہے تھے۔ نیند پوری ہونے کے بعد بچہ جس طرح چاق چوبند ہوتا ہے۔ عماد بھی اسی طرح شوخیوں پر آمادہ تھا۔ سجاد نے کمرے میں داخل ہوتے ہی قہقہے سنے اور اکھاڑے کا منظر دیکھا۔ ماہ نور کی دروازے کی طرف پیٹھ تھی۔ عماد نے لعنو لگایا۔

"بابا!" ماہ نور سنبھل گئی۔ بال سمیٹ کر دوپٹہ اوڑھ لیا۔ عماد نے باپ کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔ اسے گود میں اٹھاتے ہوئے سجاد نے کہا۔

"امی کو ابھی تک چائے نہیں ملی۔ کیا سلیمہ کہیں گئی ہے؟" ماہ نور اوہ کہہ کر اٹھی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے زبان دانتوں تلے دبا کر بولی۔

"مجھے نیند آ گئی تھی۔ اب بھی عماد نے جگایا ہے۔ ورنہ پتہ نہیں اور کتنا سوتی میں؟" کچھ شرمندہ سی باہر جانے لگی تو سجاد نے کہا۔

"میں نے سلیمہ کا پوچھا تھا؟"

"وہ پتا نہیں۔ ابھی دیکھتی ہوں۔ شاید امی نے کہیں بھیجا ہو۔"

"گھر کے کسی فرد کے بارے میں لاعلمی کا کیا مطلب ہوا؟" کچھ چبھتا ہوا لہجہ تھا۔

"میں تو عماد کو سلانے لیٹی تو خود بھی سو گئی۔ اس وقت سلیمہ برتن دھو رہی تھی۔"

"بہرحال۔ گھر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری آپ کی ہے۔"

سجاد نے کہا۔ انہوں نے کہا تو نہیں۔ مگر ماہ نور نے خود نتیجہ اخذ کر لیا کہ ایسی بے خبری میں کوئی بھی اندر آ کر گھر کا صفایا کر سکتا ہے' وہ جرح کرتے تو غلط نہ تھا۔ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر اس نے ساس کے پاس آ کر پوچھا۔

"امی! سلیمہ آپ سے پوچھ کر گئی ہے؟"

"مجھ سے کیوں پوچھتی۔ میں کون ہوتی ہوں۔ گھر کی بیگم تم ہو۔ تم نے ہی کہیں بھیجا ہو گا۔"

"میں تو عماد کو سلاتے ہوئے خود بھی سو گئی۔ ابھی آنکھ کھلی ہے۔" اس نے بتایا۔

"لو۔ میں تو ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سو سکی۔ پیٹ میں مروڑ ہو رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا۔ کہ ہلکی سی چائے یا قہوہ مل جاتا۔ کیسی حلیم تھی کہ ہضم ہی نہ ہوئی محسوس۔ وہ درد وہ درد کہ توبہ۔۔۔ پتہ نہیں کس بد دلی سے پکایا تھا۔" ماہ نور حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

سجاد نے اندر آتے ہوئے حلیم کا ذکر سنا۔ "اچھا

حلیم کہاں سے آئی تھی؟"

"آئی کہاں سے تمہاری بیوی نے بنائی تھا۔" امی کا لہجہ خاصا تلخ تھا۔

سجاد نے امی کے لہجے کی طرف توجہ کیے بغیر بڑے شوق سے پوچھا۔ "اچھا؟ آپ کو حلیم بنانا آتی ہے؟" انہیں شاید حلیم بہت پسند تھی۔

"بس ایسے ہی کوئی خاص نہیں۔" وہ جھینپ گئی۔

"چائے کے ساتھ حلیم کیسا رہے گا؟ کیوں امی۔" سجاد نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں کھاؤ اور پیٹ میں درد کروالو ایسا ہے۔" امی پھر خفگی سے بولیں اور منہ موڑ کر بستر ٹٹولنے لگیں۔

ماہ نور کچھ چور سی ہوگئی۔ مگر اس کے پیٹ درد نہ تھا۔ اس لیے کچن میں آکر چائے بنانے کے علاوہ حلیم گرم کرکے اس میں پیاز کا تازہ بگھار لگایا۔ گرم مسالا' ہرا مسالا ٹرے میں رکھا۔ سجاد نے چائے سے پہلے حلیم ہی لی اور کھاتے چلے گئے۔ پھر چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر خود بخود ہنس دیے۔

"دراصل..... دوپہر کو لنچ کا موقع نہ ملا تھا۔ بھوک بھی تھی اور حلیم مزے دار بھی تھی۔ اب اگر پیٹ میں مروڑ ہوئے تو بس اللہ ہی حافظ ہے۔" ماہ نور چپ رہی۔ مگر خوش ہوگئی۔

"کم از کم اتنا تو کہو اللہ نہ کرے۔" وہ کچھ شوخ ہوئے۔

"میں نے دل میں کہہ دیا تھا۔" وہ بھی مسکرائی۔ پھر ساس سے پوچھا۔ "امی درد کی دوا دے دوں؟ اب درد تو نہیں ہے؟"

"نہیں اب ٹھیک ہے۔ چائے پی کر ختم ہوا۔ اس کم بخت کی خبر تو لو کہاں مرگئی۔"

ماہ نور' سلیمہ کی تلاش میں سرونٹ کوارٹر گئی۔ وہی ہوا وہ بھی سو رہی تھی آواز دینے پر آنکھ ملتی اٹھی۔

"کچھ اندازہ ہے تمہیں۔ کتنی شام ہوگئی ہے۔"

"ہائے بی بی! پہلے ہی جگا دیتیں۔ اب تو مغرب ہو رہی ہے۔"

"میں سمجھی تم کہیں باہر چلی گئی ہو۔"

"بس بی بی۔ وہ حلیم کا نشہ چڑھ گیا تھا۔ ایسا بستر پر گری کہ خبر ہی نہ رہی۔" سلیمہ نے بھی حلیم کو مورد الزام ٹھہرایا۔ توبہ کیسی حلیم تھی کہ سب کو مختلف کیفیت طاری ہوگئی۔ اب پتہ نہیں سجاد کیا کہیں گے۔ اسے ہنسی آگئی۔

"اچھا اب اٹھو۔ رات کے کھانے کا بھی کچھ کرلو۔"

"رات کے کھانے کا؟ بڑی بیگم نے تو اتنا حلیم کھایا ہے کہ تین دن کچھ نہ کھائیں گی۔"

ماہ نور اسے گھورنے کے سوا کچھ نہ کرسکی۔ مغرب کے بعد فواد آیا۔ آتے ہی اشاروں سے ریحانہ کا پوچھا کہ گئیں؟ ماہ نور نے بھی گردن کے اشارے سے اقرار کیا۔ ہاں گئیں۔

"شکر ہے۔" اس نے لمبا سانس لیا۔ "حلیم چھوڑی ہے کہ سب ختم کرگئیں؟"

"کیا ریحانہ آئی تھی؟" سجاد نے پوچھا۔ ریحانہ اور سجاد جڑواں تھے۔

"جی معہ عیال کے اہل کو گھر چھوڑ آئی تھیں۔ آتے ہی حلیم کی فرمائش کرکے بھابھی کو کچن کی زینت بنا دیا۔ میرا لنچ ادھورا رہ گیا۔ میرے دوستوں کو مفت خورے کا لقب عطا کرکے مجھے باہر نکال دیا۔ یقیناً" شوہر نامدار کے لیے ڈونگہ بھر کرلے گئی ہوں گی۔ عیال نے تو یہیں پیٹ کا کنواں بھر لیا ہوگا۔"

اف کتنا بولتا تھا فواد۔ اس کی گاڑی روانہ ہوتی تو رکنے کا نام نہ لیتی۔ ماہ نور اسے بھی گھور کر رہ گئی۔

"بھئی سوری فواد!" سجاد نے خوامخواہ تاسف کا اظہار کیا۔ "حلیم تو میں نے چٹ کرلی۔ پتہ نہیں ابھی تک مروڑ کیوں نہیں ہوئے۔"

"ہائے۔" فواد دھپ سے کرسی پر گرا۔ "میں نے تو پلنگ بھی خالی پیٹ منائی۔ حلیم کی خاطر۔ اب بھوک سے پیٹ میں مروڑ ہو رہے ہیں۔"

"زیادہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔" ماہ نور نے اسے گھورا۔ فضول کی اداکاری کر رہا تھا۔

تمہارے لیے میں نے الگ نکال کر رکھ لی ہے۔ کچھ دیر پہلے ہی گرم کر کے بگھار لگایا ہے۔ جاؤ کچن سے لے لو۔"

"اوہو!" سجاد قدرے حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ "اتنی بچ گئی تھی؟ مجھے معلوم ہوتا میں اور کھاتا۔"

"ویسے ہے تو یہ انہونی ریحانہ آپا کی فیملی سے کچھ بچا کر رکھنا۔ بھابھی کا کمال ہے۔"

"کمال ہے نہ جمال ہے۔ گھر کا کوئی فرد کھانے کے وقت موجود نہ ہو۔ اس کے لیے رکھنا تو چاہیے۔ فواد! ابھی جا کر نہاؤ۔ پھر کھانا لگتا ہے تو سب کے ساتھ کھا لینا۔"

"ہیں؟ ہیں؟ میں؟ یعنی کہ میں کھانے کے وقت تک انتظار کروں؟ ناکہ میز پر حلیم کا ڈونگا مجھ سے پہلے بھائی صاحب کے سامنے پہنچے نا' نا' نا میں ایسی رعایت دینے کے خلاف ہوں۔ بعد میں نہاؤں گا۔ پہلے پیٹ پوجا۔"

وہ کچن کی طرف دوڑ گیا۔

سجاد ہنس کر بولے۔ "اس لڑکے کا بچپن نہ جانے کب جائے گا۔" پیالے میں حلیم لے کر کھاتا ہوا پھر آ گیا۔

"مزا آگیا۔ بھابھی! ایسی زحمت آپ اکثر کر لیا کریں۔ مگر ریحانہ آپا کے سامنے نہیں۔ سچ میری تو پکنک ہی خراب کر دی ریحانہ آپا نے۔"

پھر وہ سجاد کو اپنے لنچ کے بارے میں بتانے لگا۔ کسی طرح فرنچ ٹوسٹ بھی ریحانہ نے بنانے نہ دیے۔ وہ اپنی اس ٹریجڈی پر اس قدر اداس ہو گیا کہ سجاد کو بھی ہمدردی کرنا پڑی۔

ماہ نور ساس کے پاس آ گئی۔ ان کی خیریت وقفے وقفے سے نہ پوچھی جائے تو وہ خفا ہو جاتی تھیں۔

"سلیمہ اس وقت کھچڑی بنا رہی ہے امی۔ آپ کے پیٹ میں بھی درد تھا۔ سجاد اور فواد نے بھی حلیم کھائی ہے۔ رات میں ہلکی غذا اچھی رہے گی۔"

"ارے میرے پیٹ کا درد تو کب کا ٹھیک ہو گیا۔ تم نے تو میری چڑ ہی بنا لی ہے۔ تم قیمہ آلو بھی بنوا لو۔ میں تو روٹی کھاؤں گی۔ کھچڑی مجھے پسند نہیں۔"

ساس نے آرڈر دیا اور وہ ڈرتی کچن کی جانب تاکہ سلیمہ کو نئی ہدایات دے۔ کھانے پر کھچڑی اور قیمہ آلو دیکھ کر فواد نے تو کھانے سے پرہیز کیا۔ کچھ دیر پہلے ہی تو حلیمہ سے پیٹ بھرا تھا۔ سجاد نے کھچڑی اور دہی لیا۔

اس سے بھی اصرار کیا۔ انہوں نے کہا۔ "اے بیٹے! تم یہ قیمہ آلو کھاؤ یہ کیا بیماروں کی غذا کھانے لگے۔ خوب مزے دار چٹ پٹا سالن ہے۔ کماؤ مردوں کو اچھی غذا کھانی چاہیے۔"

"امی! کماؤ مردوں کو صحت کی بھی پروا کرنی چاہیے۔ بلکہ ہر شخص کو رات میں ہلکی پھلکی غذا کا خیال رکھنا چاہیے۔ جبکہ دن میں حلیم کھایا ہو۔ تب تو اور بھی' آپ کے بھی پیٹ میں درد تھا۔ آپ کھچڑی ہی کھا لیتیں۔ قیمہ آپ کے لیے مضر ہے۔"

امی سجاد کی بات پر خفا ہو گئیں۔ منہ بنا کر بولیں۔ "انسان کو ہمیشہ پسند کا کھانا کھانا چاہیے۔ درد کا کیا ہے۔ وہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

"لیکن حفظان صحت کا خیال بھی ضروری ہے۔ ناکہ بیماری پاس نہ پھٹکے۔"

وہ قیمہ کھاتی رہیں۔ سجاد کھچڑی اور پھر دہی ہوا۔ سلیمہ ان کے کمرے میں رات گزارتی تھی۔ اسی نے صبح بتایا کہ بڑی بیگم صاحب رات میں پیٹ کے درد سے بے حال رہیں۔ باتھ روم کے چکر لگاتی رہیں۔ پیٹ خراب ہو گیا۔ سجاد گھبرا گئے۔ دوا لا کر کھلائی۔ کچھ دیر بیٹھے رہے۔ فواد بھی آ گیا۔

امی نے صبح ہی ریحانہ کو فون کر دیا تھا۔ وہ بھی بیٹی کے ساتھ آ گئیں۔ آتے ہی اس موئے حلیم کی شان میں قصیدے پیش کیے جو دوپہر میں کھایا تھا" اور رات کو اس قدر طبیعت خراب ہوئی تو یہ وقت آگیا۔ امی کا سنتے ہی آگئی ورنہ لیٹی تھی میں تو پھر وہ امی پر احسان دھر کر وہیں لیٹ گئیں۔

یہ کہتے ہوئے کہ ماہ نور نے جانے کیسے حلیم بنائی تھی۔ کیا چیز اس میں ڈالی تھی کہ سب بیمار ہو گئے۔ سب سے مراد وہ اور امی۔

پالنے والی کی ضرورت تھی۔ جو ڈبل کردار ادا کر سکے۔ دونوں طرف سے انہیں مطمئن کرے۔ وہ اس کے اندازے کے مطابق پرانے زمانے کے مرد تھے۔ جو عورت پر مکمل بھروسہ نہیں کرتے بلکہ مشکوک رہتے ہیں۔ انہیں فیشن سے دلچسپی نہ تھی۔ خصوصاً" عورت کے لیے وہ زیادہ آزادی کے قائل نہ تھے۔ نہ ہی موجودہ دور کے مادر پدر آزادی عریانی کی حد تک فیشن کا استعمال گوارا نہ تھا۔

ان کے کئی رشتے دار بہت آزاد اور ایڈوانس تھے۔ ان کی ترشی ہوئی زلفوں والی بیگمات جو میک اپ کمپنیوں کی چلتی پھرتی ماڈل نظر آتیں۔ تنگ کھلے پاجاموں عریاں بانہوں سے اپنا نظارہ کراتی پھرتیں۔ ان لوگوں سے وہ گریز ہی کرتے تھے۔ کبھی کبھی ماہ نور ڈر جاتی۔ اگر سجاد کو اس کی لڑکپن کی نومی سے دوستی کا حال معلوم ہو جائے۔ وہ اس کے کردار سے بدظن نہ ہو جائیں۔ وہ اپنی نوعمری کی حماقت پر بہت پشیمان تھی۔ مگر ریحانہ بھی اپنی فطرت سے مجبور اس لیے اعتراض کرتی رہیں اور ماہ نور اب زیادہ فکر مند ہو گئی۔ کچھ ہی عرصہ بعد ریحانہ نے اس سے کچھ اگلوانا چاہا۔

"تمہارے خاندان میں تو تمہارے جوڑ کے کئی لڑکے ہیں۔ پھر تمہاری شادی کیوں نہ ہوئی۔ کیا تمہاری اماں کے تعلقات ان سے خراب تھے؟"

وہ سمجھے بغیر انہیں دیکھتی رہی۔ بھلا یہ کیسا سوال ہے۔

"بھئی۔ آخر اپنی کنواری لڑکی دوہاجو کو جو ایک بچے کا باپ بھی ہے دینے کی کوئی تو وجہ ہو گی۔ تم اپنے خاندان میں نپٹ جاتیں۔"

وہ اس کی خاموشی پر اور بھی شیر ہو گئیں۔

"لوگ تو آج کل ظہی نقطۂ نگاہ سے برابر کی عمر کا جوڑ ڈھونڈتے ہیں۔ پھر تمہارے ابا نے کیوں یہاں رشتہ منظور کیا؟"

"پتہ نہیں۔" وہ لاچار ہو گئی۔

"کسی دن پوچھ لینا۔ اتنا زیادہ فرق مناسب نہیں ہوتا۔ اپنی اماں سے ہی معلوم کر لو۔ اب دیکھو نا۔ تم دونوں کی عادات اور مزاج میں کتنا فرق ہے۔ سہاگ تو تم سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔ تم اب تک برداشت کرو گی؟"

وہ گومگو میں انہیں دیکھتی رہی۔ کیا مطلب تھا اس سوال سے بالکل سمجھ میں نہ آیا۔ ساس نے ہی بیٹی کو جتایا۔

"ارے کہاں مانتے تھے اس کے ابا۔ وہ جو ہماری کزن ذکیہ بہن ہیں' ماہ نور کی تائی۔ وہ بہت تعریف کرتی ہیں اپنی سسرال اور سسرال کی لڑکیوں کی۔ ماہ نور کے نکاح اور طلاق کا قصہ سنایا تو میں نے جھٹ رشتہ دے دیا۔ ان ہی کی کوشش سے شادی ہوئی۔"

"آپ نے کیوں نہ سوچا۔ آپ کی بہن سہی۔ مگر ماہ نور ان ہی کے خاندان کی لڑکی ہے وہ تو تعریف کریں گی ہی اور بھئی لڑکے والے رشتہ دیتے ہیں۔ ماننا نہ ماننا لڑکی والوں کے اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ تو جیسے انتظار میں بیٹھے تھے۔ جیسے ہی رشتہ گیا۔ فوراً" اقرار کر لیا۔ کیوں آخر؟" ریحانہ کے لہجے میں طنز اور تلخی تھی۔

وہ اسے حقیر سمجھ رہی ہیں۔ یا بے جوڑ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ فواد گنگناتا ہوا ادھر سے گزرا۔ اسے دیکھ کر اندر آ گیا۔

"کیا ہوا بھابھی؟ آپ اداس ہیں؟ روئی ہیں؟ سرخ ہو رہی ہیں کیا وجہ؟"

"نہیں' نہیں۔" وہ گھبرا گئی۔ زبردستی مسکرانا چاہا۔ مگر آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"لگتا ہے ریحانہ آپا نے کوئی گل افشانی کی ہے۔ کالی اور کڑوی۔ اوہو بھابی ان کی باتوں کا اثر نہ ہی لیا کریں۔ چلیں اٹھیں۔ میں آئس کریم لے کر آتا ہوں۔ سب مل کر کھائیں گے اٹھیے۔"

ماہ نور جرح ـــ سے بچنے کے لیے واش روم میں آ گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر موڈ درست کرنے میں اسے چند لمحے ہی ملے۔ کمرے میں آتے ہی ٹھٹک گئی۔ ریحانہ موجود تھیں۔

"یہ فواد یہاں کیا کر رہا تھا؟" انہوں نے ترچھی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سختی سے سوال کیا۔

"شام میں کچھ احتیاط کرلیتیں۔" سجاد نے کہا۔ "ہلکا پھلکا کھاکر۔"

"رات میں تو دراصل نند کے گھر دعوت تھی۔ وہاں ہلکا پھلکا کیا ملتا۔ تکے کباب نان اور قلفہ آئس کریم۔ تمہیں پتہ ہے مجھے یہ سب چیزیں کتنی پسند ہیں۔"

"تو یہ کہیے۔" فواد نے سجاد کی طرف دیکھا۔ "میں یہی سوچ رہا تھا کہ میں نے اور بھائی نے بھی حلیم کھایا تھا۔ ہمارے تو درد نہ ہوا۔ میں نے رات کو کچھ کھایا نہیں۔ بھائی نے کھچڑی کھائی۔ آپ لوگ بھی تو بغیر سوچے الم غلم کھا کر صحت خراب کرلیتی ہیں۔ مالِ مفت دلِ بے رحم۔ یاد رکھیے صحت افضل ہے۔ اس کے لیے کچھ احتیاط بھی چاہیے۔"

ریحانہ جلبلا کر اٹھیں "ہیں؟ ہیں کیا کہا تم نے مالِ مفت ارے امی! سن رہی ہیں آپ۔ صاحب زادے کی زبان دانی کی داد تو دیں۔ سجاد تم بھی چپ ہو سن رہے ہو؟"

"میں کیا بولوں۔" سجاد کچھ سٹپٹا گئے۔

"اچھا زبان نہیں ہے تمہارے پاس؟ یا سماعت سے عاری ہو۔ چھوٹا بھائی بدتمیزی کررہا ہے اور سب چپ ہیں۔ اس کا مطلب ہے تم اس کے ہم خیال ہو۔ میں تو بھائی حلیم کی فرمائش کرکے پچھتائی۔ نہ جانے کس بے دلی سے پکائی ماہ نور نے کہ۔"

"حلیم تو ہم نے بھائی نے بھی کھائی۔ آپ رات کی دعوت ٹال جاتیں۔ فواد نے پھر ٹانگ اڑائی۔ "دواؤں کا خرچانہ ہوتا اور جو کم زوری ہوگئی ہے نہ ہوتی۔"

"چپ رہو۔ ورنہ اٹھ کر ابھی پٹائی کروں گی۔ لحاظ نہیں کروں گی تمہارے قد کا۔ وہ چڑ گئیں۔

"امی! چھوٹے ماموں صحیح کہہ رہے ہیں رات بھر کتنی دوائیں آپ نے کھالیں۔ درد سینے پر جلن۔ کھٹی ڈکاریں۔ بدہضمی۔ تکے بھی آپ نے بہت کھائے تھے۔ ہم سب حیران تھے کہ امی کا پیٹ ہے یا قاضی کا حوض۔" ان کی بیٹی ہنس کر سنا رہی تھی۔

"اچھا تو یہ میری بیٹیاں ہی مجھے نظر لگا رہی تھیں۔"

وہ اٹھ بیٹھیں اور امی کو رات کی دعوت کا حال سنانے لگیں۔ ان کی بیٹی وہی داستان سجاد، فواد کو سنا رہی تھی۔ کس نے کیا کھایا کتنا کھایا۔ گرم گرم خوشبودار نان اور گرم سیخ کباب چکن تکے اور ٹھنڈا ٹھار قلفہ۔

ماہ نور ان کی باتیں سن کر سب کی عادات اور فطرت پر غور کررہی تھی۔ ابھی تک وہ ان میں سے کسی کے بارے میں رائے قائم نہ کرسکی تھی۔ فواد لڑکپن کے دور میں تھا۔ لاپروا، بے نیاز ماہ نور اسے سب سے چھوٹا ہونے کی رعایت دیتی تھی۔ ریحانہ منہ پھٹ اور معترض طبیعت۔ جبکہ سجاد سنجیدگی کے خول میں بند۔ بڑی آپا جو سعودیہ میں تھیں۔ ماہ نور ان کا ساتھ شاید پندرہ بیس دن کا رہا تھا۔ مگر وہ اسے بہت اچھی لگی تھیں۔ فون پر بھی ان سے بات ہوتی تو وہ اسے کچھ اچھے مشورے ہی دیا کرتی تھیں۔ جبکہ ریحانہ ان سے بہت مختلف تھی۔ سجاد سے تو وہ پورے طور پر واقف نہ ہوئی تھی۔ انہیں تو عماد کی فکر رہتی۔ زیادہ تر گفتگو بھی ماہ نور سے اسی کے بارے میں ہوتی۔ وہ نہایا یا نہیں، چڑچڑا تو نہیں ہو رہا۔ دودھ اوولٹین زیادہ شوق سے پیتا ہے یا سادہ دودھ یا دودھ روح افزا۔

ماہ نور سمجھ رہی تھی کہ وہ کچھ بھی کرلے۔ لوگوں کو مطمئن کرنے کا فن ابھی اسے نہیں ملا تھا۔ سجاد امی سے بھی تصدیق کرتے اور ماہ نور کے لیے شکر کا مقام تھا کہ ساس نے عماد کے معاملے میں کبھی غلط بیانی نہیں کی۔ وہ خود اس بارے میں ماہ نور پر بھروسہ کرتی تھیں۔ ریحانہ کو کھوج رہتی۔ مگر ابھی تک تو ماہ نور کی جانب سے کوئی نکتہ اعتراض اسے نظر نہ آیا تھا۔

ادھر ماہ نور کے والدین خوش تھے کہ بیٹی اچھے گھر بیاہ کر گئی ہے۔ داماد خوبرو، سنجیدہ اور شائستہ ہے۔ اچھے عہدے پر ہے۔ گھرانہ بھی اعلا ہے۔ ماہ نور البتہ کبھی کبھی فکر مند ہو جاتی۔ سجاد نے اسے ابھی تک اس قابل نہ سمجھا تھا کہ اپنی فکریں یا مسائل اس سے شیئر کریں۔

کبھی تو اسے احساس ہوتا۔ وہ صرف ان کے بیٹے کی آیا بنا کر لائی گئی ہے۔ سجاد کو بیوی کی نہیں بیٹے کے لیے

ماہ نور سمجھی نہیں۔ وہ کیا معلوم کرنا چاہتی ہیں۔

"وہ کہنے آئے تھے کہ آئس کریم لینے جا رہے ہیں سب مل کر کھائیں گے۔" اس نے سیدھا جواب دیا تھا۔

"اچھا؟ مجھے تو نہیں بتایا اور یہ تم کس طرح بات کر رہی ہو۔ کہنے آئے تھے۔ لینے جا رہے ہیں۔ اس قدر تعظیم ارے بھئی دیور ہے وہ تمہارا۔ شوہر تو نہیں۔ جو اس قدر ادب عزت سے بات کر رہی ہو۔" ان کے الفاظ نے ماہ نور کو سر تا پیر جھلسا دیا۔

"میرا خیال ہے۔ تہذیب ہمارے معاشرے کا زیور ہے۔ ہمیں ہر کسی کو تہذیب سے پیش آنے کا درس دیا گیا ہے۔ غالباً آپ اس سے ناواقف ہیں۔"

اس نے الفاظ بھی محتاط انداز میں استعمال کیے۔ ورنہ غصہ تو بہت آیا تھا۔

ریحانہ بھی آگ بگولہ ہو گئیں۔ پھر کچھ سنبھل کر مزید حملہ کیا۔

"اس کا تمہارے کمرے میں داخل ہونا کوئی اچھی بات نہیں۔ سجاد کی غیر موجودگی میں تم نے اسے آنے کی اجازت دی ہوگی۔ لوگ اعتراض کر سکتے ہیں۔"

"اعتراض؟ مگر کس بات پر؟" وہ بھڑک گئی۔

"اب اتنی بھی ننھی نہیں ہو۔ تم بھی جوان ہو۔ وہ بھی جوان ہے۔ شیطان کا کام بہکانا ورغلانا ہے۔" ریحانہ اس کے سرخ چہرے کو فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"ریحانہ آپا۔" وہ چیخ پڑی۔ "آ۔ آپ مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتی ہیں؟" آنسو بھی ابل پڑے۔ ریحانہ کو خوشی ہوئی۔

"اب کیا کہوں۔ وہ مرد ہے۔ اسے تو شیطان مغلوب کر سکتا ہے۔" اف ان کی تنگ دلی۔

"وہ میرے چھوٹے بھائی کی طرح ہے۔ آپ نے ایسا سوچا بھی کیوں۔ اتنے گندے الفاظ آپ کی زبان سے نکلے بھی کیسے؟" وہ اب بے بسی کے انتہائی بلند مقام پر تھی۔

"دیکھو بھئی۔ برا ماننے کی تو بات نہیں ہے۔ بھائی جیسا ہے مگر بھائی ہے تو نہیں۔ یہ فرق جان لو تو تمہارے لیے اچھا ہے۔ چھوٹا بھی نہیں ہے۔ پورا مرد ہے۔ مگر تم میں عقل ہوتی تو اپنے سے دس برس بڑے مرد کو کیوں قبول کرتیں۔"

کہہ کر سر اونچا کیے کمرے سے باہر چلی گئیں۔ ماہ نور سکتے کے عالم میں کھڑی رہ گئی۔ آنسو بھی یک لخت خشک ہو گئے تھے۔ آخر یہ ریحانہ کیا چاہتی ہیں۔ کیوں اسے تیروں سے چھلنی کر رہی ہیں۔ اتنے عرصے کے بعد۔ اب ہی انہیں اس بے جوڑ شادی پر اعتراض کیوں ہوا۔ اپنی ماں سے کیوں نہیں کہتیں۔ بھائی سے پوچھ لیتیں۔ وہ کیوں راضی ہوئے۔ کمرہ اندر سے لاک کر کے وہ بیٹھی رہی اور روتی رہی۔ اپنی ذلت کا احساس اسے زخمی کر رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ فواد نے آئس کریم لانے کا اعلان کیا۔ ریحانہ کی بیٹی نے آوازیں دیں۔ مگر اس نے خاموشی کو ہتھیار بنا لیا۔ کتنی ہی دیر گزر گئی۔ وہ سناٹے میں بیٹھی رہی۔ پھر سجاد کی آواز سن کر وہ اٹھی تھی۔ دروازہ کھولا وہ عماد کو گود میں لیے کھڑے تھے۔ چہرے پر ناراضی تھی۔ بولے تو لہجہ بھی تلخ۔

"یہ کیا حرکت تھی؟ کمرہ بند کر کے ہر طرف سے بے خبر ہونا۔ آپ کو اپنے غموں سے فرصت ملے تو عماد کا خیال بھی کر لیا کریں۔ امی میں اتنی طاقت ہوتی ....." جملہ ادھورا تھا۔ اس نے پورا کر دیا۔

"تو میری ضرورت نہ ہوتی۔" یہ غموں سے فرصت کا آئیڈیا بھی یقیناً" ریحانہ کا تھا۔ وہ سوچ کر از سر نو آگ بگولہ ہو گئی۔

"انسان ہوں میں۔ پتھر کی چٹان نہیں۔ کاش آپ نے کبھی یہ احساس کیا ہوتا۔" اس کی شکل دیکھ کر سمجھ تو گئے کہ روتی رہی ہے۔ مگر بے حسی کا کمال۔

عماد کو ان کی گود سے چھین کر واش روم میں گھس گئی۔ اسے شاید کھانا کھلایا گیا تھا۔ اس کا منہ گندا ہو رہا تھا۔ خود اسے بھی پانی سے چہرہ دھونے کی ضرورت تھی۔ تاکہ پھر سے ابلنے والے آنسوؤں کو پانی میں بہا دے۔ دونوں کام کر کے کمرے میں آئی اور عماد کے کپڑے

Uploaded by Roadgen

بدلنے لگی۔ کپڑے پہنتے ہوئے وہ ہمیشہ اچھل کود کرتا تھا۔ بہت بہلا پھسلا کر کپڑے پہنانے پڑتے تھے۔ مگر آج اسے بہلانے کے لیے اس کے پاس نہ تو الفاظ تھے۔ نہ گرمئی جذبات۔ وہ اس کے ساتھ زبردستی کر رہی تھی۔

"ماہ نور!" اس نے سجاد کی جذبات سے عاری صاف آواز سنی۔

"کیا تم یہاں خوش نہیں ہو؟ عماد کی ذمے داری تمہیں ناگوار ہے؟ مجھے بتاؤ کیا ریحانہ کا خیال درست ہے۔ تم یہاں خوش نہیں ہو میرے ساتھ۔"

وہ منصف تھے کہ وہ جواب دے اور اگر وہ جواب سے گریزاں تھی تو بھی ریحانہ کے نام پر تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔ پاؤڈر کا ڈبہ اس نے عماد کے ہاتھ میں ٹھونسا اور ان کے روبرو کھڑے ہو کر بولی۔

"ہاں تو بتائیے کب آپ نے مجھے غم مناتے۔ ماتم کرتے دیکھا ہے؟ کسی ایک دن کا حساب ہی بتا دیں۔ آپ جیسے کچے کانوں والے مرد ہمیشہ بیویوں سے بدظن رہتے ہیں۔ ہاں میں یہاں بہت خوش رہتی ہوں مگر آپ کی بہن صاحبہ سے میری خوشی دیکھی نہیں جاتی۔ وہ خوش ہونے دیں گی تو میں خوش ہوں گی نا۔ کبھی انہیں مجھ پر اعتراض ہوتا ہے کہ میں نے آپ سے شادی پر انکار کیوں نہیں کیا۔ کبھی وہ میرے خاندان میں میری شادی نہ ہونے پر مشکوک ہوتی ہیں۔ میں فواد سے کیوں ہنستی بولتی ہوں۔ میں کیوں خوش رہتی ہوں۔ انہیں عماد کے ساتھ میرے تعلق پر انگلی اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ ورنہ وہ یوں بھی آپ کو بدظن کرتیں۔ نہ جانے کتنے الزامات لگا چکی ہیں۔ آخر میں کیا کروں؟ کہاں چلی جاؤں؟"

بے بسی کے عالم میں اس نے سجاد کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر کے عماد کو گود میں بھر لیا اور اسے پلنگ پر لٹا دیا۔ وہ ابھی تک پاؤڈر کے ڈبے سے کھیل رہا تھا۔ سجاد نے اسے آنسو پونچھتے ہوئے دیکھا۔ پاس آ کر نرم لہجے میں بولے۔

"ریحانہ کی فضول گوئی کا سب کو علم ہے۔ کوئی یقین نہیں کرتا۔ اس کی بات پر غور نہ ہی کیا کرو۔ پاگل ہے وہ؟"

"اور آپ؟" وہ پھر تلخ ہوئی۔ "وہ مجھے پتھر سمجھتی ہیں اور آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کیا میں سب کے قدموں میں بچھ جاؤں اور آپ سب مجھے روندتے ہوئے گزر جائیں۔ میں مر جاؤں اور آواز بھی نہ نکالوں؟ تب آپ کو یقین ہو گا۔"

شدت گریہ سے بے حال ہوتے ہوئے گھٹنوں میں سر رکھ کر وہ زور زور سے رو رہی تھی۔ عماد گھبرا کر ڈبہ پھینک کر اسے بہلا رہا تھا۔

"ماما' ماما!" وہ جھک جھک کر اسے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سجاد نے تاسف سے لمبا سانس بھرا' اور واش روم کی طرف بڑھ گئے۔ عماد کے معصوم جذبات کو ٹھیس نہ لگے۔ یہ سوچ کر وہ مسکرا کر اسے گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ "سنگ دل بے حس۔" وہ واش روم کے بند دروازے کو دیکھ کر بڑبڑائی۔ جب سجاد باہر آئے۔ عماد اس کی گود میں چوڑیوں سے کھیل رہا تھا۔ ماہ نور مسکرا رہی تھی۔ مگر اس کے چہرے پر اداسی کی زردی تھی۔

"مجھے بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟"

انہوں نے تو اپنی طرف سے کوشش کی تھی کہ محبت سے اس کے بازوؤں کو چھوئیں۔ مگر اسے تو جیسے انگارے چھو گئے تھے۔ تیزی سے ان کا ہاتھ جھٹک کر

"کچھ نہیں ہوا۔" کہتی ہوئی عماد کو گود میں لیے پلنگ سے نیچے اتر کر باہر کی طرف لپک گئی۔ لان میں ابھی دھوپ کی تمازت تھی۔ وہ جھولے پر بیٹھ کر ہولے ہولے جھولنے لگی۔ لان کی گھاس نہ جانے کب سے کاٹی نہیں گئی تھی۔ جنگلی جڑی بوٹیوں کا جنگل اور گھاس لمبی ہو کر سوکھ گئی تھی۔ "مالی کی تو خیر لوں گی" اور کیاریاں۔ اف کنارے پر لگی اینٹیں ٹیڑھی ہو کر گر گئی تھیں۔ گلاب کے پودوں میں جنگلی شاخیں نکل آئی تھیں اور پانی تو نہ جانے کب سے دیا ہی نہیں گیا تھا۔ موسمی پھولوں میں پھولوں سے زیادہ بیج تھے۔

اچھا تو خوب عیش کر رہے ہیں یہ صاحب بھی۔ اس گھر کے سارے لوگ بے حس کیوں ہیں۔" اسی وقت شامت اعمال مالی کی تشریف آوری ہوئی۔ وہ وہیں سے اس پر برس پڑی۔

"یہ کام کرتے ہو یا جھک مارتے ہو۔ پیسے دیتے ہیں ہم مفت کام نہیں کرواتے۔ پتہ نہیں مالی ہو بھی یا محض گھسیارے ہو۔ اگر گھسیارے ہوتے تو کم از کم گھاس تو صاف کرتے۔ کیاریوں کی حالت دیکھی ہے؟ پھول سوکھ گئے ہیں مگر ٹہنیوں سے الگ کرنے کی فرصت نہیں تم کو..... اور یہ..... گلاب دیسی شاخ کتنی لمبی ہو گئی ہے۔ ساری طاقت تو اس ..... نے کھینچ لی۔ اب پھول کیا خاک لگیں گے۔ لان کا حال دیکھ رہے ہو؟ جا بجا جنگلی جڑی بوٹیاں۔ ان کو کون صاف کرے گا؟ یہ لان ہے یا جنگل۔ کتنی گھاس ہو گئی ہے۔ تمہیں کچھ نظر نہیں آتا تو میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلو۔ نمبر لے کر عینک لگوالو۔ کچھ نظر تو آئے تمہیں بھی۔ کیاریوں کی گوڈی کرو۔ لائن میں مشین پھیرو۔ اچھا نہیں لائے؟ فوراً" جاؤ اور لے کر آؤ۔ مجھے اب میں لان کا یہ حال نہ دیکھوں۔ ہم لان میں نہیں بیٹھتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر کو کوڑا خانہ بنا دو تم۔"

مالی پر خوب گرج برس کر اپنا غصہ نکالا۔ اس وقت سجاد نے اندر کھڑکی سے ماہ نور کی پرجلال تقریر سنی اور مالی کو شرمسار سر جھکائے دیکھ کر مسکرائے۔ پھر اندر جاتے ہوئے طمانیت سے سوچا" گویا ریحانہ کی یہ اطلاع یا رائے بھی غلط ہے کہ ماہ نور یہاں خوش نہیں۔ اگر یہ درست ہوتا تو وہ گھر کے معاملات میں۔ لان کی خراب حالت پر کیوں توجہ دیتی۔ وہ کسی بھی معاملے میں دخل نہ دیتی۔ ریحانہ خوامخواہ افواہوں کی زنبیل بنی رہتی ہے۔ مجھے اس کی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ ماہ نور کو کتنا دکھ ہوتا ہو گا۔"

کچھ دیر پہلے کا سین یاد آکر انہوں نے تاسف سے سر ہلایا۔ کتنا رو رہی تھی اور میں..... اس کے آنسو پونچھنے کے بجائے نہانے چلا گیا۔ اگر عماد نہ ہو تو وہ کس قدر تنہا رہ جائے۔ اپنا غصہ گرمی مالی پر اتار کر اپنی تقریر دل پذیر پر خود کو داد دیتی ہوئی عماد کے ساتھ مسکراتی ہوئی آسودہ سی اندر آئی۔ سجاد کو دیکھ کر تجدید کی تیاری کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ عماد کو پلنگ پر اٹھا کر قدرے رکھائی سے اس نے عماد سے کہا۔

"چلو بیٹھو اپنے باپ کے پاس۔ میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔ اچھا؟"

مگر عماد اس کی گود میں پناہ چاہتا تھا' وہ باپ کے پاس بیٹھنے کو ہرگز تیار نہ تھا۔ اس نے ماہ نور کا آنچل مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ وہ بسور رہا تھا اور ماہ نور بھی بسورنے لگی۔ دونوں کی صورتیں کس قدر ایک دوسرے سے مشابہ تھیں۔ سجاد حیرت زدہ ہو گئے انہوں نے ماں بیٹے کے معاملے میں دخل دینے سے پرہیز کیا۔ ماہ نور نے تنگ آکر کہا۔

"اچھا بابا۔ چلو مگر میں اب تمہیں گود میں نہیں لوں گی۔ جناب اب بڑے ہو گئے ہیں' مجھے پاؤں پاؤں چلو تم نے تو مجھے اپنی سواری کا گھوڑا سمجھ رکھا ہے۔ ہر وقت لدے رہتے ہو۔"

کہتے ہوئے عماد کو نیچے اتارا۔

"گھوڑی۔" سجاد نے آہستہ سے تصحیح کی۔

ماہ نور نے مڑ کر دیکھا اور عماد کو کھینچتے ہوئے زور زور سے پاؤں پٹختی باہر نکل گئی۔ سجاد کی ہنسی کی آواز ماہ نور کے کانوں میں پہنچی۔ مگر اس وقت وہ باہر نکل چکی تھی۔ پھر اسے بھی ہنسی آگئی۔

☆ ☆ ☆

رات آنے تک وہ ریحانہ کی فضول گوئی سے بے نیاز ہو گئی تھی۔

سلیمہ نے آج کھانا بہت مزے کا بنایا تھا۔ اس لیے سب کا موڈ بہت اچھا تھا۔ فواد ماہ نور سے سوال کیے جا رہا تھا کہ۔

"جب میں آئس کریم لینے گیا تھا تو بتا کر گیا تھا اور خاص آپ کے لیے کیونکہ آپ کا موڈ بہت خراب تھا۔ آپ رو رہی تھیں۔ آپ کی خوشی کے لیے آئس کریم لایا اور آپ نے دروازہ لاک کر لیا۔ باہر ہی نہیں

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے یا ہے؟" وہ معصوم بنی ساس اور شوہر کو دیکھنے لگی۔

اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ کوئی بات اب دل میں نہیں رکھے گی۔ کڑھنے جلنے سے بہتر ہے کہ بھڑاس نکال لے۔ آخر وہ کیوں دب کر رہے۔ کیوں خاموشی سے ان کی بے ہودہ باتیں برداشت کرے۔ کل کو وہ کوئی اور الزام لگا کر سجاد کو ہی نہ بدظن کردیں۔

"ریحانہ تو پاگل ہے ماہ نور! تم اس کی باتوں پر کان نہ دھرا کرو۔" امی نے نرمی سے کہا۔

"میں آپ کی نصیحت پر ضرور عمل کرلیتی۔ اگر یقین ہوتا کہ دوسرے لوگ بھی ان کی باتوں پر کان نہ دھریں گے۔ انہیں پاگل سمجھ کر ٹال جائیں گے۔ مگر امی! آپ کے سامنے بھی وہ نکتہ چینی کرتی ہی ہیں۔ آپ کیوں نہیں انہیں سمجھاتیں۔ میں جانتی ہوں کہ میں صرف عماد کی پرورش کے لیے لائی گئی ہوں۔ اور میں ذمے داری سے اس فرض کو ادا کرتی ہوں۔ اگر اس معاملے میں کمی ہو تو بے شک اعتراض کریں۔"

دل کی تمام بھڑاس نکال کر وہ ہلکی پھلکی ہوگئی۔ سجاد اٹھ کر باہر چلے گئے۔ پتہ نہیں کون سی بات بری لگی انہیں، اسے غصہ آنے لگا۔

"بھابھی! میں نے تو یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ریحانہ آپا کی باتوں پر دھیان ہی نہ دیا جائے۔ غصہ تو مجھے بھی آتا ہے۔ مگر میں برداشت کرنے پر مجبور ہوں۔" فواد کچھ بے بسی سے بولا۔

"تمہاری بہن ہیں۔ اس لیے تمہاری مجبوری ہے۔ میری کوئی مجبوری نہیں۔" وہ چڑ گئی۔

امی ساکت بیٹھی رہ گئیں۔ سلیمہ برتن اٹھانے آئی تو وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ سجاد عماد کو نائٹ سوٹ پہنا رہے تھے۔ حسب عادت وہ ہاتھ پیر چلا رہا تھا۔ ماہ نور نے ان کے ہاتھ سے کپڑے لے لیے اور بہلا کر توجہ ہٹانے لگی۔

"کھانے کی میز پر بے ہودہ گفتگو کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی؟" سجاد نے خشک لہجے میں کہا۔

"سنتے ہوئے بہت شرم آئی تھی۔" ماہ نور نے بھی

گڑ کر جواب دیا۔ ”جب آپ مجھ سے جواب طلبی کر رہے تھے کہ میں آپ کے ساتھ خوش ہوں یا نہیں۔ تب آپ کو شرم آنی چاہیے تھی۔ مگر میں نے جواب میں وہ سوال پوچھا ہی نہیں۔ اس لیے کہ میں جانتی ہوں۔ میں صرف اور صرف عماد کی آیا ہوں۔ آپ اور ریحانہ آپا یہی باور کرانا چاہتے ہیں مجھے۔“

”تم..... اب بہت بولنے لگی ہو۔ پہلے تو بہت معصوم نظر آتی تھیں۔“

”آپ کے رویے نے مجبور کیا ہے۔ ورنہ اب بھی..... میں معصوم ہوں۔ آپ اشاروں میں کہنے کے بجائے زبان سے کہہ کیوں نہیں دیتے کہ میرا تعلق صرف اور صرف عماد کی آیا کا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی حیثیت سے آگاہ ہو جاؤں۔“ آواز بھاری ہو گئی۔

”کیا میں نے کبھی ایسا رویہ رکھا ہے؟ کیا تمہاری حق تلفی کی ہے؟ کبھی کسی بات پر اعتراض کیا ہے؟ اگر دوسرے لوگ کچھ کہتے ہیں۔ تو اس کی ذمے داری مجھ پر تو نہیں ہے۔“

”تو پھر..... آپ نے وہ سوال کیوں کیا تھا؟ میں سمجھی..... آپ بھی یہی سمجھتے ہیں۔ اور ریحانہ آپا کے بھڑکانے پر..... پوچھ رہے ہیں کہ میں خوش نہیں ہوں۔ مجھے غصہ آگیا تھا۔“

”سوری۔“ سجاد مسکرائے۔ ”چلو معاف کیا۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ بے شک تم میری بیوی ہی بن کر آئی ہو۔ مگر میں نے تمہیں عماد کی ماں بنایا ہے۔ کیا اس سے بہتر کوئی رشتہ ہو سکتا ہے؟ میں تم پر اعتبار کرتا ہوں اور یہ کافی ہے۔“

ماہ نور اندر تک سرشار ہو گئی۔ نہ سہی اظہار محبت، اعتبار تو کیا اور کیا یہ کافی تھا یا نہیں۔ یہ اس کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا۔ ”مسٹر میں کبھی نہ کبھی تم سے اظہار محبت بھی کروا کر رہوں گی۔ یہ میرا عہد ہے۔ میرا ارمان، میرا مقصد حیات۔“

☆ ☆ ☆

کچھ دن خوش گوار گزرے۔ فواد بھی پہلے کی طرح بے تکلف ہو گیا اور سجاد بھی پہلے کی طرح سنجیدہ۔

پھر ایک چھٹی کے دن ریحانہ آگئیں۔ ماہ نور، فواد اور امی کے ساتھ لوڈو کھیل رہی تھی۔ امی کو عماد کا پارٹنر بنایا گیا تھا۔ جو برابر گڑبڑ کر رہا تھا۔ ریحانہ نے اندر آتے ہی گہری نظروں سے سب کا معائنہ کیا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟ لو بھئی، دادی پوتا پارٹنر ہیں۔ سبحان اللہ۔ اس بچے کو تو کھیلنا آتا نہیں۔ پھر اس بے چارے کو نمائشی روبوٹ کیوں بنایا ہے؟ کمال ہے امی بھی بس۔“

”تو آپ کو کیا اعتراض ہے؟“ فواد بھڑک گیا۔

”میں نے اعتراض تو نہیں کیا۔ کرنا چاہیے تھا کہ تم نے ماہ نور کو کیوں پارٹنر بنایا۔“

”میں نے کئی بار آپ کو بھی تو پارٹنر بنایا تھا۔“ فواد کا چہرہ سخت ہو گیا تھا۔

امی نے معاملہ رفع دفع کیا۔ ”چلو اٹھاؤ بساط میں تھک گئی۔“

ماہ نور نے بساط اور تمام گوٹیں ڈبے میں ڈالیں اور الماری میں رکھ دیں۔ فواد باہر چلا گیا۔ ماہ نور، عماد کا ہاتھ پکڑ کر باہر جانا چاہ رہی تھی کہ ریحانہ نے مخاطب کیا وہ رک گئی۔ عماد اب خوب دوڑنے بھاگنے لگا تھا۔ مگر نگرانی کرنا پڑتی تھی۔

”ارے ہاں ماہ نور تمہاری ایک خالہ بھی تو ہیں۔“ ریحانہ نے جیسے اچانک یاد آنے پر سوال کیا۔

”جی..... ایک نہیں دو خالائیں ہیں۔“

”میں ان کا پوچھ رہی ہوں۔ جن کا بیٹا فوج میں ہے۔ اس کی کہیں منگنی ہوئی ہے یا ابھی نہیں۔“

”ابھی ہوئی تو نہیں۔“ ماہ نور سمجھی نہیں اس سوال کا مطلب کیا ہے۔

”اچھا، لڑکا ہے تو خوب صورت ہینڈسم۔ پھر کب کریں گی تمہاری خالہ اس کی شادی۔“ ماہ نور کو ان کے سوالات بہت برے لگ رہے تھے۔ وہ سمجھ گئی کہ اب کوئی نیا شوشہ چھوڑنے آئی ہیں محترمہ۔

”پتہ نہیں۔“ اس نے مختصر جواب بہتر سمجھا۔

”تم سے تو بڑا ہے۔ تمہاری خالہ کو تمہارا خیال

کہاں رہ گیا۔"

ماہ نور بھائی کی طرف دیکھ کر سادگی سے بولی۔ "آپا! رشتے تو قسمت سے ہوتے ہیں۔"

"یہی تو کہہ رہی ہوں۔ کہ تم سے بہتر انہیں کون سا رشتہ ملے گا۔ میرا مطلب ہے تم سے بہتر کون بہو ہوگی۔ رشتے دار بھی اور جوڑ بھی عمر کا۔ کیا تمہاری اماں کے تعلقات خراب ہیں اپنی بہن سے۔ جو انہوں نے تمہیں یہاں بیاہ دیا۔ وہ جو تمہاری پہلی شادی ہوئی تھی۔ تو سنا ہے اس لڑکے نے بڑا شور ہنگامہ کیا تھا۔ اسی نے تمہارے شوہر کو جیل پہنچایا تھا۔ بعد میں اسی کی سفارش پر اسے جیل سے رہا کیا گیا۔"

ریحانہ کی معلومات پر عش عش کرتے ہوئے ماہ نور ساکت ہوگئی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے خوف ناک اندوہناک مگر کمزور پہلو تھا۔

"جب اتنا ہنگامہ کرکے تمہیں طلاق دلوائی تھی تو پھر تم سے شادی کیوں نہ کرلی۔"

ریحانہ آہستہ آہستہ اسے اپنے تیروں سے زخمی کرتی ہوئی اسے زیر کرنے کی کوشش کررہی تھیں۔ ماہ نور نے سجاد کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ جانے کب اندر آئے تھے مگر ریحانہ تو دیکھ چکی تھیں۔ وہ دم بخود انہیں دیکھ رہی تھی۔ اب کون سا عقدہ کھولنے والی تھیں وہ۔ اس کا جسم کانپنے لگا۔ عماد ہاتھ چھڑا کر باہر بھاگ گیا اسے خبر نہ ہوئی۔ وہ تو ریحانہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ جو بولے جا رہی تھیں۔

"امی! اس لڑکے نے ساری کارروائی کی۔ ماہ نور کو طلاق دلوائی۔ مگر شادی نہ کی۔ یقیناً" اس کی ماں کو یہ رشتہ پسند نہ ہوگا۔ ورنہ بھانجی سے زیادہ کون عزیز ہوتی۔ ایسی ہوتی ہے دنیا۔ بیٹے کی مرضی کی پروا ہی نہ کی۔ تب ہی تو ماہ نور کے ابا نے..... یہاں فٹافٹ رشتہ کر دیا۔"

ابھی وہ کچھ اور بھی فرمانے والی تھیں اور ماہ نور حد سے زیادہ خوف زدہ ہو رہی تھی۔ وہ تقریباً" گرنے والی تھی کہ پیچھے سے سجاد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جیسے اسے سہارا دیا۔

"ماہ نور، تم نے ریحانہ کو بتایا نہیں۔ تمہاری بڑی بہن راشد کی دودھ شریک ہیں۔ وہ تو تمہارا سگا بھائی ہوا۔ شرعاً" بھی شادی ناجائز ہوتی اور ماہ نور کے والد قریبی رشتے داروں میں شادی کے خلاف ہیں۔ طبی نقطۂ نظر سے بھی۔"

ریحانہ کا چہرہ باسی امرود کی طرح مرجھا گیا تھا۔ چند لمحے پہلے کی فتح نے اچانک انہیں تحت الثری میں دھکیل دیا۔ مردہ لہجے میں بولیں۔

"اچھا؟ مجھے خبر نہ تھی۔ میں تو اس لیے بات کررہی تھی کہ ماہ نور اگر اپنی خالہ سے روبی کے لیے سفارش کر دے تو میرا مسئلہ حل ہو جائے۔ میں روبی کی حرکتوں سے تنگ آچکی ہوں۔ ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ دشمن بن گئی ہے۔"

"چھوڑو روبی کی فکر۔ سجاد قدرے جھنجھلا کر سختی سے بولے۔ "ماہ نور! دیکھو۔ شاید عماد گر گیا ہے رونے کی آواز آرہی ہے۔ اسے دیکھو۔"

اور ماہ نور کسی قید سے رہائی پا کر باہر بھاگی۔ عماد واقعی گر کر چوٹ لگا چکا تھا۔ سجاد نے ریحانہ کو ڈانٹا۔

"ریحانہ! تمہارے دماغ میں کس قدر فضولیات جمع رہتی ہیں۔ روبی کے ماں باپ زندہ ہیں۔ بھائی بہن بھی ہیں۔ وہ خود اس کی فکر کے لیے کافی ہیں۔ تم بلاوجہ اپنا دماغ نہ تھکایا کرو اور براہ مہربانی ماہ نور کی ٹوہ میں نہ رہا کرو۔ نہ ہی یہاں آکر شر پھیلایا کرو۔"

"لو میں کب شر پھیلاتی ہوں۔" ریحانہ کے تو جیسے آگ لگ گئی۔ "کیا یہ غلط ہے کہ ماہ نور کے شوہر کو جیل بھیجنے کا وہی ذمہ دار ہے۔ میں سمجھی یہ پسند کا چکر ہوگا۔ اسی لیے پوچھ رہی تھی۔"

"تمہیں ایسے سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" سجاد مزید سختی سے گویا ہوئے۔

"وہ میری بیوی ہے۔ میں اسے کہیں سے اٹھا کر نہیں ہزاروں رشتے داروں کی گواہی میں لے کر آیا ہوں۔ وہ میرا حال اور مستقبل ہے اور میں اس کا حال اور مستقبل ہوں۔ آئندہ تم اس کے بارے میں الٹی سیدھی خبریں پھیلاؤ گی تو سوچ لو۔ اپنے بھائی کو کھو دو گی

میں ہرگز اپنی زندگی میں ذرا سا بھی انتشار برداشت نہیں کروں گا۔"

کہہ کر غصے میں سرخ چہرہ لیے وہ باہر نکل گئے۔ ریحانہ، سجاد کے رویے پر حق دق بیٹھی رہ گئیں۔ سجاد کمرے میں گئے تو ماہ نور عماد کے گھٹنے پر دوا لگا رہی تھی۔ سمجھا رہی تھی۔

"منع کیا تھا کہ بغیر دیکھے دوڑنا نہیں چاہیے۔ چوٹ لگ جاتی ہے۔ جہاں جانا ہو ماما کے ساتھ جاؤ۔ اکیلے نہیں جانا۔"

"ماما کے ساتھ جاؤ۔ اکیلے نہیں جانا۔" عماد طوطے کی طرح گردن ہلا کر رٹ رہا تھا۔

سجاد نے بھنا کر کہا۔ "یہ کیا سبق پڑھا رہی ہو اسے بزدل بنا رہی ہو۔ اب وہ کہیں بھی تمہارے سوا نہیں جائے گا۔ ہر جگہ تمہارا پلو پکڑے چلے گا۔ اس عمر میں بچہ سیکھنے کے عمل سے گزرتا ہے۔ اسے بہادری کا سبق دینے کے بجائے اپنا دست نگر بنانا کوئی عقل مندی نہیں ہے۔ اسے عقل استعمال کرنے دو ماہ نور وہ اپنی حفاظت خود ہی کرے گا۔ تبھی زندگی کی جدوجہد میں شامل ہوگا۔ اسے خطروں سے مقابلہ کرنے دو۔ کیا ہوا؟ میں نے کوئی غلط بات کردی؟" وہ ماہ نور کے آنسو دیکھ کر پریشان ہوگئے۔

"میں شاید..... اچھی ماں نہیں بن سکتی۔ نہ ہی اچھی بیوی۔"

وہ خود نہیں جانتی تھی کہ آنسو کیوں ابل پڑے۔ سجاد کی آواز سنتے ہی اسے ریحانہ کی زہر بھری باتیں یاد آ گئی تھیں۔ سجاد نے ریحانہ کو ڈانٹا کیوں نہیں۔ ماہ نور کی تالیف قلب کے لیے۔ اس کی عزت کی خاطر۔ سختی صرف ماہ نور کے لیے کیوں؟ وہ کیوں نہیں اس کا مان بڑھاتے۔ اس کی خدمتوں کا اعتراف نہیں کرتے۔ محبت کا اظہار تو دور کی بات ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی سجاد ریحانہ کو ڈانٹ کر ہی آئے ہیں۔

"اچھی بیوی تو خیر ہو۔ اچھی ماں بننے کے لیے تمہیں خاصی کوشش کرنی ہوگی۔ مگر میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تمہارے آنسوؤں کا کیا مطلب ہے؟"

"ہونہہ۔ اب بھی اچھی ماں ہونے کا ڈھونگ نہیں۔ اتنی محنت کرتی ہوں اس بچے کے لیے۔ شوہر کی نگاہ میں سرخ رو ہونے کے لیے۔ اس گھر میں اپنے قدم مضبوط کرنے کے لیے۔ مگر جناب صاحب کو کچھ نظر ہی نہیں آتا۔" وہ باہر جانے لگی تو انہوں نے پھر پوچھا۔

"میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتی ہو تم۔ کیوں بہا رہی ہو۔ تم آخر مجھے اتنا غیر اہم کیوں سمجھتی ہو کہ مجھے جواب ہی نہیں دیتیں۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ رک گئی۔ ہاتھ چھڑا کر بولی۔ "آپ کو غیر اہم سمجھنے والی میں نہیں ہوں۔ بس مجھے جواب سوجھتا نہیں۔ اس لیے چپ رہتی ہوں۔"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ میں سننا چاہتا ہوں۔ کیا میں نے کوئی دل دکھانے والی بات کی ہے کہ آنسو نکل آئے۔"

"اصل میں آنسو ہی پاگل ہیں اور میں بھی دیوانی۔" کہہ کر باہر آگئی اور پھر بلند آواز میں انہیں سنانے کے لیے باہر ہی سے بولی۔ "وقتہ بہ خوشی تو کوئی آنسو نہیں بہاتا۔"

سجاد سر کھجا کر رہ گئے۔ میرے سوال کا یہ بھی جواب نہیں۔ وہ اسے اتنا تو پہچان گئے تھے کہ وہ چالاک ہے نہ مکار۔ بلکہ کچھ کم عقل ہی ہے اور یہ کمی ان کے گھر کے لیے کسی انعام سے کم نہ تھی۔

ماہ نور کو شکوہ تھا کہ وہ اپنی طاقت اور صلاحیت سے زیادہ اس گھر پر توجہ دیتی ہے۔ اس کی توانائی ضائع ہو رہی ہے اسے کوئی شاباش نہیں دیتا۔ کہیں سے انعام نہیں ملتا۔ جن کے توسط سے آئی ہے۔ وہ بھی اس کی عزت و تکریم نہیں کرتے۔ جس کی بہرحال وہ مستحق تھی۔

☆ ☆ ☆

"ریحانہ آپا بہت دن سے نہیں آئیں۔ کیا کہیں گئی ہوئی ہیں؟" کافی عرصہ تک ریحانہ نہیں آئیں تو

اس نے فواد سے پوچھ لیا۔
فواد تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہاں بھی آپ کو بھی پتا نہیں ان کے علاوہ کیا کوئی تکلیف لگوانے کا شوق ہو رہا ہے یا اللہ؟"
"نہیں، نہیں اصل میں..... بہت دن ہو گئے نا۔"
"تو آپ نہیں چاہتیں کہ وہ آئیں۔ امی کو بتاتا ہوں۔" فواد شرارت سے بولا۔
"بتادو۔ میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ سب اپنی مرضی کے مالک ہیں۔" وہ خفا ہو گئی۔
مگر ایک دن ریحانہ کی لڑکیاں آئیں۔ اور عماد کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ ان کے چھوٹے بھائی کی سالگرہ تھی۔ ماہ نور تو صبح سے عماد کو بھیجنے پر تیار نہ تھی۔ مگر سجاد نے اجازت دے دی۔ ہزار ہدایتوں کے ساتھ فرزانہ عماد کو لے گئی۔
ماہ نور مگر مطمئن نہ تھی۔ وہاں بچے ہوں گے۔ کھیل میں کسی کو اس کا خیال نہ آیا تو اسے چوٹ لگ سکتی ہے۔ لیکن سجاد کو فکر نہ تھی۔
"بچوں کو چوٹ لگتی ہی ہے۔ کیا انہیں اسی ڈر سے کھیلنا نہیں چاہیے؟ یہ تو ان کی حق تلفی ہوگی۔"
انہوں نے کہا اور ماہ نور کی فکر کی پروا نہیں کی۔ یہی کہہ دیتے کہ تم ساتھ چلی جاؤ۔ مگر میں ماں ہوتی تو زبردستی کر بھی لیتی۔" وہ سمجھے آیا سے زیادہ اہمیت دیتے ہی کب ہیں؟" وہ افسردہ ہو گئی۔ گیٹ پر کھڑی اپ ٹو ڈیٹ خاتون ماہ نور کو لان میں دیکھ کر اندر آ گئیں۔ غالباً" کسی این جی او کی عہدے دار ہوں گی۔
وہ ان کے پاس آئی "جی؟"
"سجاد صاحب گھر میں ہیں؟ ان سے ملنا ہے۔"
"وہ تو آفس میں ہوتے ہیں۔" ماہ نور ان کا جائزہ لے رہی تھی۔
"آپ..... کون ہیں؟" انہوں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ غالباً" کوئی نوکر سمجھی ہوں گی۔
"میں؟" پوچھنا تو مجھے چاہیے تھا۔ اس نے دل میں کہا۔ "میں مسز ہوں ان کی فرمائیے۔" آنے والی خاتون کے میک اپ زدہ چہرے پر زردی پھیل گئی۔ پھر خود کو سنبھال کر انہوں نے کہا۔
"اچھا؟ خوب صورت آپ خوب صورت ہیں۔ بہت زیادہ۔"
ماہ نور شرما گئی۔ اس نے پہلی بار اپنی تعریف سنی تھی۔ وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ وہ گردن اٹھا اٹھا کر پورے ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگیں۔ دیواروں پر سجی پینٹنگ کارنر پر کرسٹل کے ڈیکوریشن پیس۔ چاندنا کے لمبے خوش رنگ واز۔
"ان کا بیٹا کہاں ہے؟" اچھی طرح معائنہ کے بعد وہ ماہ نور کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ماہ نور کچھ حیران ہوئی۔
"وہ اپنی پھوپھی کے ہاں گیا ہوا ہے۔"
"اوہ مجھے اس بچے کے بارے میں سجاد سے بات کرنی تھی۔" انہوں نے کہا۔ ماہ نور بدھو سی حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔
"کیا وہ روزانہ پھوپھی کے گھر چلا جاتا ہے؟ ریحانہ سے مانوس ہو گا۔ خود ہی سوال خود جواب۔ وہ آرام سے صوفے میں دھنس گئیں۔
"میں آپ کے لیے کچھ لاتی ہوں۔" ماہ نور سٹپٹا کر بولی۔ بچے کے بارے میں اس کا ذہن اسی جملے میں الجھ گیا تھا۔
"نہیں تم بیٹھو مجھے بتاؤ۔ سجاد کب تک آتے ہیں؟ اور بچہ۔"
"شام کو، بچہ تو..... دراصل ریحانہ آپا کے بیٹے کی برتھ ڈے ہے۔ بچیاں اسے لے گئیں۔ ورنہ وہ میرے بغیر تو کہیں جاتا نہیں۔ اب بھی اگر وہ رویا تو مجھے جانا پڑے گا۔"
تفصیلی بیان دے کر اس نے لمبا سانس لیا۔ آنے والی کے چہرے پر سختی ابھر آئی۔ ادھر ادھر دیکھ کر نشست تبدیل کی۔ حلق صاف کیا۔ پھر کچھ کہنے کو ہوئیں۔ مگر پھر ہونٹ بھینچ لیے۔
ماہ نور ان کی حرکتوں سے پریشان ہو کر کھڑی ہو گئی اور میں ابھی آئی کہہ کر اندر چلی گئی۔ فریج سے کوک نکالی گلاس میں ڈال کر ٹرے میں رکھی اور واپس آئی۔

"آخر یہ ہیں کون؟ بچے کے بارے میں کیا کہنا چاہتی ہیں؟ اتنی الجھی الجھی سی کیوں ہیں۔ ڈریسنگ زبردست ہے۔ میک اپ بھی لاجواب ہے۔ بالوں کو گولڈن کلر کیا ہے۔ بغیر آستین کے بازو خوب چمکتے ہیں۔ بڑی فرصت میں تیار ہوئی ہیں۔ بالوں سے لے کر ناخن تک پر توجہ کی گئی ہے۔ سجاد سے کیا تعلق ہے آخر۔ اندر آئی تو وہ ایک بار پھر نشست تبدیل کر چکی تھیں اور کمرے میں رکھی مختلف چیزوں کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

"آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔" ماہ نور نے گلاس ان کے سامنے چھوٹی میز پر رکھا۔ انہوں نے نزاکت سے اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا۔ پھر کیوٹکس لگی انگلی گلاس پر پھیری جہاں ان کے ہونٹوں کی لپ اسٹک کا داغ ابھرا تھا۔

"او ہاں میں زرّیں ہوں۔ زرّیں سجاد ہوا کرتی تھی پہلے۔ وہ بچہ میرا ہے۔"

ماہ نور اپنی جگہ ہل کر رہ گئی۔ اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"بچے کا نام کیا ہے؟" بڑی ادا سے پوچھا ابرو اچکا کر۔

"جی عماد....." کیسی ماں ہے جو بچے کا نام نہیں جانتی۔

"او..... میں بھول گئی تھی دراصل۔" انہوں نے پھر نشست تبدیل کی اور پھر اپنی دکھ بھری زندگی کی داستان سنانی شروع کی۔ سجاد کے گھر سے جا کر انہوں نے جس مرد سے شادی کی تھی۔ وہ بے حد شکی تھا۔ ان کی آزادی کا دشمن۔ پابندیاں لگاتا تھا۔ وہ اس سے چھٹکارا حاصل کر چکی تھیں۔ اولاد تھی نہیں۔ بس عماد ہی تھا۔ وہ ناشاد نامراد اولاد کے لیے ترستی ہوئی تنہا پھر رہی ہیں۔ انہیں بیٹے کی یاد ستاتی ہے۔ وہ ان کی زندگی کا واحد سہارا ہے۔

"میں اسے واپس لینا چاہتی ہوں۔ اس کے بغیر میری زندگی میں نہ کوئی بہار ہے۔ نہ آس نہ امید۔ میں تنہا کیسے جیوں گی۔ مجھے سہارا چاہیے۔ مجبور ہو کر آئی ہوں۔"

"آپ..... شادی کر لیں۔" ماہ نور نے پُرخلوص مشورہ دیا۔

"اسی لیے آئی ہوں او یعنی کہ۔" وہ سٹپٹا گئیں۔ "کون کرے گا مجھ سے شادی؟

عورت کی دو شادیاں بھی قابل گردن زدنی ہوتی ہیں۔ اب اپنی آئندہ زندگی کی دل بستگی کے لیے مجھے اپنا بیٹا چاہیے۔ میرا بیٹا جسے میں سینے سے لگا کر رکھوں میری اولاد جس پر میرا حق ہے۔"

"آپ نے خود ہی اسے چھوڑا تھا۔ جب آپ کو خیال نہ آیا.....؟" ماہ نور رہ نہ سکی۔

"اس وقت..... سجاد کا مزاج ہی خراب رہتا تھا۔ میں اس کے ساتھ خوش نہیں تھی۔ میں سیر تفریح چاہتی تھی۔ ان کو بس آفس کے کام سے دلچسپی تھی۔ بس پھر میں بددل ہو گئی۔ تم خوش ہو سجاد کے ساتھ؟"

سوال اچانک اور چبھتا ہوا تھا۔ ماہ نور منہ کھولے انہیں دیکھتی رہی۔ وہ عجیب طرح منہ ٹیڑھا کر کے مسکرائیں۔

"اگر تم کہتیں کہ ہاں تو میں حیران ہو جاتی اور تمہاری عقل پر رحم آجاتا مجھے۔"

وہ بول رہی تھیں اور ماہ نور گم صم کھڑی تھی اندر سے ساس نے ماہ نور کو آواز دی۔ وہ چونک کر بولیں۔

"اچھا۔ یہ ابھی تک زندہ ہیں۔ انہوں نے بھی میری زندگی تلخ بنانے میں کسر نہیں چھوڑی۔" کہہ کر اٹھیں اور باہر نکل گئیں۔

ماہ نور اپنی جگہ دم بخود کھڑی رہ گئی۔

رات کو بے نیازی اور قدرے لاپروائی کا مظاہرہ کرتی ہوئی آرام سے سجاد کو سنانے لگی۔

"آج ہمارے ہاں زرّیں آئی تھیں۔ زرّیں سجاد ہوا کرتی تھیں پہلے۔ یہی بتایا تھا انہوں نے۔"

آواز بلند لہجہ صاف تھا۔ بجلی کی سی تیزی سے سجاد نے مڑ کر اسے دیکھا جو چادر تہہ کرنے میں منہمک تھی۔

"کیوں؟" سرسراتی آواز میں انہوں نے پوچھا۔

"ان کو طلاق ہو گئی ہے۔" اس نے انہیں حیران کرنا چاہا۔

"معلوم ہے۔" انہوں نے الٹا اسے حیران کر دیا۔

"آمد کا مقصد کیا تھا؟"

"اولاد کی محبت۔" ماہ نور نے بتایا۔ سجاد بستر پر اچھل کر بیٹھے۔

"واٹ؟ اولاد کی محبت۔ کس اولاد کی محبت۔۔۔؟ تم نے پوچھا نہیں؟"

"میں نے ضرورت نہیں سمجھی۔"

"عماد۔۔۔ کہاں تھا؟"

"ریحانہ آپا کے گھر۔۔۔" سجاد نے پُرسکون ہو کر تکیئے سر ڈالا اور عماد کو لپٹا لیا۔ اس کے بعد مکمل خاموشی اختیار کر لی۔

کئی دن یہی کیفیت رہی۔ مزاج کا روکھا پن طبیعت کی سختی پہلے کی طرح ہی عود کر آئی۔ ماہ نور نے بھی پھر کچھ نہیں پوچھا۔

☆ ☆ ☆

کئی دن گزر گئے۔ عماد کو بخار تھا۔ اور زکام بھی۔ شاید موسم کی تبدیلی کا اثر تھا۔ سجاد اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔ وہ لان میں آکر مالی کی کارکردگی کا جائزہ لینے لگی۔ آسمان پر دور دور سفید بادلوں کی اٹھکھیلیاں اور نم ہوا کی سرگوشیاں بھی جاری تھیں۔ فضا میں ہلکی سی حرارت تھی۔

سجاد کا فون آیا۔ انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر کے کلینک پر ان کے دوست بھی آئے ہوئے تھے۔ وہ عماد کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد خود ہی لے آئیں گے۔ ان کے بچے پلے لینڈ جا رہے ہیں۔ عماد کا بخار اتر گیا ہے۔ زکام کی دوا دے دی۔ فکر نہ کرو۔ ماہ نور کو اب فرصت تھی۔ وہ فواد کے کمرے کی صفائی کرنے لگی۔ وہ بے حد لاپروا اور بے ڈھنگا تھا۔ چیزیں پھیلانے میں ماہر۔ صفائی سے بے بہرہ۔

کام میں مصروفیت کے باوجود اس کا ذہن عماد کی طرف ہی لگا رہا۔

"بادل آ رہے ہیں بارش ہو گئی تو۔۔۔ عماد بھیگ گیا کہیں بیمار ہی نہ ہو جائے۔"

جب سے اس نے عماد کو سمجھایا تھا کہ ماما کے بغیر کہیں نہیں جانا۔ وہ اکثر اسے کہیں لے جاتے۔ کبھی ریحانہ کے ہاں۔ کبھی کسی دوست کی طرف۔ وہ تلملا کر رہ جاتی۔ سلیمہ نے کسی مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ ڈرائنگ روم میں زریں کو دیکھ کر حیران ہو گئی۔ سجاد کو ان کی آمد پسند نہیں آئی تھی۔ اب سن کر یقیناً ناراض ہوں گے۔ پہلے سے زیادہ سج بن کر اٹھارہ بیس سنگار کر کے آئی تھیں۔ مختصر بلاؤز۔ باریک ترین ساڑی میں ملبوس۔ چہرہ گلابی۔ آنکھیں شرابی۔ گہرے نہیں بلکہ گاڑھے میک اپ نے چہرہ کی ساخت پر پردہ ڈالا ہوا تھا۔

"میں بیٹے کو دیکھنے آئی ہوں۔ بلانا ذرا۔" ان کی آواز تھرتھرا رہی تھی۔ ماہ نور پر ان کی جذباتی کیفیت کا خاصا اثر ہوا۔ بے چاری ہاں۔

"وہ تو گھر میں نہیں ہے۔ اسے کل سے فلو ہو رہا تھا۔ سجاد اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے ہیں۔ فون آیا تھا۔ دیر سے آئیں گے۔ پلے لینڈ لے گئے ہیں اسے۔"

"پلے لینڈ؟ فلو میں وہاں تو اور بہت بچے ہوتے ہیں۔ اس کو جراثیم۔ میرا مطلب ہے۔ احتیاط کی ضرورت ہے۔ توبہ میں بھی کیا ہوں۔ فون کرکے آئی۔ پلیز بیٹھو میرے پاس میں ایک معاملہ ڈسکس کرنا چاہتی ہوں۔" کچھ مضطرب تھیں۔

ماہ نور ان کے پاس بیٹھ گئی۔ ان کے پاس سے بہت تیز خوشبو آ رہی تھی۔ انہوں نے ٹیڑھی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"تم کیا اس حلیے میں ہی رہتی ہو ہمیشہ؟ بن سنور کر رہا کرو۔"

"میں فواد کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔ اس کے بعد۔۔۔ نہانے کا پروگرام تھا۔"

ماہ نور خود ہی جھینپ سی گئی۔ لیکن حلیہ تو اس کا ٹھیک ہی تھا۔ میک اپ کا اسے شوق نہ تھا۔ نہ سجاد

پسند کرتے تھے۔ تھوڑی بہت لیپا پوتی کر ہی لیتی تھی۔ مگر کسی فنکشن میں جانے کے لیے۔ گھر میں سادہ ہی رہتی تھی۔

"صفائی تم کیوں کر رہی تھیں۔ نوکر نہیں ہے؟ سجاد کی پوزیشن تو خاصی اسٹرانگ ہے۔ وہ نوکر نہیں رکھ سکتے کیا؟"

"لیکن..... گھر کی صفائی کوئی ذلت کا کام نہیں ہے اور پھر میں فارغ ہی تھی۔ جب اس گھر کی ذمے داری مجھے سونپی گئی ہے تو مجھے ہی تو ہر کام کا خیال رکھنا چاہیے۔ گندا گھر یا صاف گھر عورت کی پہچان ہوتا ہے۔ (ارے بھئی اس معاملے کی توبات کرو جس کے لیے آئی ہو) ماہ نور دل میں جز بز ہو رہی تھی۔

"جو کچھ وہ مجھ سے ڈیمانڈ کرتے تھے۔ تم پورا کر رہی ہو۔ گھر کی دیکھ بھال صفائی کام عورت کیا تنخواہ ہوتی ہے؟ اس کے جذبات نہیں ہوتے خواہشیں نہیں ہوتیں؟ کیا تم خوشی سے کرتی ہو؟ نہیں یہ مرد کی خواہش ہے کہ عورت اس کی غلام بن کر رہے۔ جیسے کہ تم نظر آ رہی ہو۔ میلی کچیلی فرماں بردار عورت۔"

"مرد؟ مگر میں مرد تو نہیں۔ میں ہر کام اپنی خوشی اور خواہش پر کرتی ہوں۔ کسی کے حکم یا دباؤ سے نہیں۔ نہیں چاہتی تو نہیں کرتی۔"

"او۔" زرّیں طنزیہ ادا سے دیکھنے لگیں۔

"آپ..... کچھ ڈمکیں کرنے آئی تھیں؟"

"ہاں لو بھول ہی گئی تھی۔ تمہاری حالت پر ترس آ رہا تھا۔ عورت کی تذلیل تو میں برداشت ہی نہیں کر سکتی۔ اس لیے خیر در اصل میں..... دیکھو مجھے اپنا بچہ چاہیے ہر صورت۔ کسی بھی قیمت پر تم مشورہ دو۔ کیا اور کیسے؟"

"جی؟ میں؟ بچہ؟" ماہ نور پریشان ہو گئی۔

"ہاں میں اسے واپس لینا چاہتی ہوں۔ یہ میری زندگی کا اولین مقصد بن گیا ہے۔ دیکھو سجاد کے تو اور بھی بچے ہو ہی جائیں گے۔ مگر میں اکیلی ہوں۔ کسی طرح بھی تم انہیں سمجھا سکتی ہو۔"

ماہ نور نے انکار میں گردن ہلائی۔ "نہیں وہ ہرگز راضی نہیں ہوں گے اور نہ میں انہیں اس کے لیے سمجھا سکتی ہوں۔ اس میں تو سجاد کی جان ہے اور میری بھی۔"

"تو دوسری صورت یہ ہے..... کہ وہ مجھ سے نکاح کر لیں۔ اس طرح میں اپنے بچے کے پاس رہ سکوں گی۔"

کس آرام سے انہوں نے ماہ نور کے کلیجے پر تیر چلایا تھا۔ یک لخت ماہ نور کا گلا سوکھ گیا۔

"دیکھو..... بہتر تو یہ ہے کہ میں بچے کو لے جاؤں۔ تمہاری زندگی بھی ڈسٹرب نہیں ہو گی۔ ہاں یہ بھی کر سکتی ہوں کہ تمہارے بچے ہونے تک انتظار کر لوں۔ مگر..... میں اس دوران اس کے قریب رہنے کی خواہش بھی کروں گی۔ دوسرا حل یہ ہی ہے کہ سجاد..... میں نکاح پر راضی ہوئی ہوں تو محض اپنے بچے کی خاطر۔ اس کو دیکھنے کو ترس گئی ہوں میں۔ میں سجاد سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گی۔ بس مجھے اس گھر میں..... ایک کونے میں جگہ مل جائے۔ میرا بچہ میرے سامنے ہو۔ بے شک تم ہی اسے پالنا۔ مگر میں اسے دیکھنے کے لیے ترستی ہوئی تو نہ مروں۔ میرے لیے بس یہ ہی کافی ہے کہ وہ سامنے ہو۔"

زرّیں کے آنسو رخساروں پر پھسلنے لگے۔ آواز بند ہو گئی۔ ماہ نور شدید جذباتی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ ہمدردی، ترس، ترحم، مامتا کی ماری ماں کی درد بھری فریاد نے اسے رُلا دیا۔ دل تھا کہ زرّیں کے لیے بے قرار تھا۔ ہائے کتنا ظلم ہے بے چاری پر۔ زریں جا چکی تھی اور ماہ نور سکتے کی سی حالت میں بیٹھی تھی۔ پھر وہ خواب غفلت سے بیدار ہوئی تو اس کی جبلت نے آگاہ کیا۔ ہاں کچھ ہونے والا ہے۔ کچھ ہو رہا ہے۔ زندگی میں کچھ بھی بدلنے والی کیفیت کا ادراک ہو رہا تھا۔ عرصہ دراز بعد پھر اس کے دل کو خوف نے جکڑ لیا تھا۔ کیا پھر حالات اس کے خلاف جا رہے ہیں۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ وہ سوچنا چاہتی تھی۔ کوئی بھی اچھا خیال۔ خوش آئند تصور مگر دل دماغ کو شکست دینے پر تلا ہوا تھا۔

کافی دیر خاموشی رہی۔ کچھ دیر بعد آپی کہا۔ مگر فرحانہ شاید اسے اضطراب کرنے رہے۔ راحلہ کو نیند بھی بہت کم آئی۔ اسے اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ سجاد کو زریں کے مسئلے سے آگاہ کرتی۔ اسے جواب کا علم تھا۔ پھر بھی پھر بھی اندر سے کوئی کانٹا دل کو زخمی کر رہا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے۔ کہیں ویسا نہ ہو جائے۔ صبح کو ناشتے پر ہمت کر کے پوری طاقت لگا کر اس نے کہہ ہی دیا۔

"وہ..... زریں آئی تھیں۔" فواد اور امی ناشتہ کر کے جا چکی تھیں۔ میز کے گرد وہ اور سجاد تھے۔

"کیوں؟" بدمزاجی چہرے پر عیاں تھی۔

"وہ عماد کو حاصل کرنا چاہتی ہیں؟"

"یہ کیسا مذاق ہے؟" وہ مزید بدمزگی سے بولے۔

"وہ..... آپ..... ان سے نکاح کرلیں۔ پھر وہ یہیں رہ سکیں گی۔ میں آپ کو اجازت دے دوں گی۔" ان کے بگڑتے خدوخال سے گھبرا کر جلدی سے اس نے جملہ پورا کیا۔

"اجازت.....؟ میں تم سے اجازت کا طلب گار نہیں ہوں۔" غصہ چہرے اور لہجے سے ظاہر تھا۔

"وہ..... بہت دکھی ہیں۔ تڑپ رہی ہیں بیٹے کے لیے۔ آخر ماں ہیں۔ ان کی مامتا مجبور کر رہی ہے۔ اس لیے وہ دوبارہ۔"

"خبردار اب نہ سنوں یہ فضول ڈائیلاگ۔ خرافات۔" وہ غرا رہے تھے۔

"خرافات کی کیا بات ہے۔ شرع کی اجازت ہے۔ اس سے انکار نہیں ہونا چاہیے۔ بے چاری کی زندگی کیسے گزرے گی بچے کے بغیر۔ رو رہی تھیں بے چاری۔"

اس نے چہرے پر انتہائی افسردگی طاری کرلی۔ سجاد نے چمچہ میز پر پٹخا۔ کھڑے ہو گئے کرسی سے کوٹ گھسیٹا۔ اس قدر بے دردی سے کہ کوئی بٹن تو ضرور ہی ٹوٹ گیا ہو گا اور بغیر اس کی طرف دیکھے باہر کو لپک گئے۔

وہ حواس باختہ بیٹھی رہ گئی۔ میز پر ناشتہ جوں کا توں رکھا رہا۔ وہ تاسف سے دیکھتی رہی۔ پھر وہیں بیٹھے بیٹھے رونے لگی۔ ایسا کون سا تیر چلایا تھا میں نے کہ بغیر کچھ کھائے تن فن کرتے چل دیے۔ میری ہر بات ہی بری لگتی ہے۔ سمجھتے ہی نہیں کچھ۔ عزت نہ اہمیت نہ محبت۔ دیا ہی کیا ہے مجھے۔ ہر وقت غصہ ہر بات پر انکار۔ ہونہہ پہلے بھی تو وہی بیوی تھیں۔ کیا پتہ لو میرج کی ہو۔ میرے کہنے سے آگ بگولہ ہو گئے۔ کون سی نئی بات ہو گئی۔ پہلے بھی بیوی تھیں۔ اب بھی ہو جائیں گی۔ بے چاری کس قدر رو رہی تھیں۔

فواد کالج جانے کے لیے کمرے سے باہر آیا۔

"بھابھی کیا بات ہے۔ بھائی سے لڑائی ہو گئی کیا؟ کیا کہہ دیا آپ نے مجھے ساتھ لیے بغیر ہی چلے گئے۔ غصے میں تھے۔ آواز دی۔ مگر سنا ہی نہیں۔"

"میں کیا کہتی۔ کیوں لڑتی۔ ایسا کون سا توپ کا گولہ چلایا تھا کہ ناشتہ کیے بغیر ہی....."

"آپ نے..... آخر کیا کہا تھا۔"

"کوئی خاص نہیں۔ آخر ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ اگر وہ زریں سے نکاح کرلیں۔ تو بچہ ان کے سامنے رہے گا۔ وہ کچھ مانگیں گی نہیں۔ طلاق دے دی اس کمبخت نے بے چاری کو۔ اب وہ اکیلی۔"

"کیا کیا؟ آپ نے کیا کہا۔" فواد یک دم بھونچکا سا ہو گیا۔

"یہی کہ زریں سے نکاح کرلیں۔ حرج ہی کیا ہے؟ عماد..... آخر دونوں کا ہے۔"

"بھابھی پلیز۔ ایسی کوئی بات آپ بھائی سے نہ کریں۔ دیر ہو رہی ہے ورنہ میں آپ کو سمجھاتا۔ پلیز آپ کوئی بات ایسی نہ کریں۔ جو بھائی کو ناگوار ہو۔"

"گناہ تو نہیں ہے بلکہ ثواب ہے۔ بے کس کو سہارا دینا۔" وہ ڈٹی ہوئی تھی۔ بچے کے بغیر بے چاری کی زندگی کس قدر..... کس قدر یعنی کہ صحیح الفاظ ذہن سے سرک گئے۔

فواد افسوس کرتا ہوا کالج چلا گیا۔ جاتے جاتے کہہ گیا۔ "آپ گناہ ثواب کے چکر میں نہ ہی پڑیں۔ سب کچھ ہو سکتا ہے ایک صرف ثواب نہیں ہو گا۔ عذاب اللہ نہ کرے ہو سکتا ہے۔"

ماہ نور میز پر ناشتہ سجا دیکھتی رہی۔ کتنی محنت اور شوق سے اس نے ناشتہ بنایا تھا۔ فرنچ ٹوسٹ اور رشین آملیٹ۔ جی جان سے بنایا۔ جناب صاحب نے چکھا تک نہیں "نہیں تو نہ سہی۔ میں خود ہی کھالوں گی وہ وہیں بیٹھی روتی رہی اور ناشتہ کرتی رہی۔

تعریف کی تو امید نہ تھی۔ مگر شوق سے کھالیتے۔ محنت وصول ہو جاتی۔ غصے میں اس نے سجاد کا چھوڑا ہوا ناشتہ بھی پیٹ میں اتار لیا۔ عماد کو بھی کھلاتی رہی۔

سجاد کے آفس فون کیا۔ "ہوں بولو۔"

"میں نے اس لیے فون کیا ہے کہ کیا آپ نے ناشتہ کرلیا؟"

"تم نے کرایا تو تھا۔" لٹھ مار انداز تھا۔

"سوری میری وجہ سے آپ بھوکے چلے گئے۔ اتنا افسوس ہو رہا ہے۔"

"اچھا؟ آپ کو افسوس بھی ہو سکتا ہے۔ نئی خبر ہے۔" کیسا دل جلا جملہ تھا۔

فون بند کر بڑبڑاتی رہی۔ "اچھا انصاف ہے۔ ایک تو معافی مانگو۔ پھر جلی کٹی سنو بھی۔ بس اب میں کچھ نہیں کہوں گی۔ بھاڑ میں جائیں زریں اور ان کے معاملات۔ پہلی بیوی "محبوب بیوی۔ اب تک بھولے نہیں ہیں مگر نخرے دیکھو۔ جیسے میں نے گالی دے دی ہے۔ دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔"

یہی خیال آتے ہی از سر نو غصہ چڑھ گیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ عماد کو لے کر ہیر کٹنگ سیلون لے گئی۔ اس کے براؤن بال خوب لمبے ہو گئے تھے۔ نچلی نوکیں تو مڑ کر چھلے بن گئی تھیں۔ سجاد کو اس کے بال بے حد پسند تھے۔ نرم ریشم کے لچھے۔ ممکن ہے زریں کے بھی ایسے ہوں اور سجاد ان سے کھیلا کرتے ہوں گے۔ جیسے عماد کے بالوں سے کھیلتے ہیں۔ مزید غصہ آیا۔ بال مزید چھوٹے کروائے۔ گھر آئی تو ساس نے آڑے ہاتھوں لیا۔

"یہ کیا کر دیا تم نے سجاد تو بہت خفا ہو گا۔ کیسے پیارے بال تھے۔ اب کیسا لگ رہا ہے پرنچا کبوتر ہائے میرا بچہ۔" انہوں نے تو لیے پر ہاتھ مار کر ماتم بھی کیا۔

اور ماہ نور یہی چاہتی تھی۔ سجاد خوب جلیں کڑھیں بے شک اسے ڈانٹ لیں۔ اس کے ارمان ٹھنڈے ہوں۔ ناشتہ چھوڑ کر جانے کی کچھ تو سزا ملے۔

شام کو فواد سجاد ساتھ ہی آئے۔ وہ دم سادھے بیٹھی ان کے چلانے کی منتظر رہی۔ مگر ہوا برعکس۔ دونوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔

"بھئی واہ۔ کیا مزے کی شکل لگ رہی ہے ارے یہ کس کا جانو بیٹا ہے۔ پہچانا نہیں جا رہا۔" لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

"بابا کا۔" عماد باپ کے گلے کا ہار بنا ہوا تھا۔ وہ تو سوچے بیٹھی تھی کہ ادھر سے کچھ اعتراض ہو تو جلے کٹے جواب دے کر لڑائی کا آغاز کرے۔

وہ کہیں "کس سے پوچھ کر اتنے پیارے بال کٹوائے۔"

وہ جواب دے "میری مرضی۔ میرا بیٹا ہے میں جو چاہوں کروں۔ کسی کو کیا۔" مگر دل کی دل میں رہ گئی۔ بلکہ سجاد نے مسکراتے ہوئے عماد سے کہا۔

"دیکھو ماما نے تم کو کیسا بنا دیا۔ چاند جیسا بیٹا۔ اپنے جیسا بنا دیا۔"

وہ قدرے شوخ ہوئے۔ وہ جل کر کوئلہ ہو گئی۔

"ہونہہ۔"

"اپنے جیسا ہیں نا بابا اپنے جیسا۔" عماد دہرانے میں ماہر تھا۔

"اپنے جیسا کیوں بابا جیسا کہو۔" وہ بھنائی۔

"بابا جیسا کہو۔" وہ رٹو طوطے کی طرح گردن ہلا رہا تھا۔

"اس کے سامنے ایسی بات کرو۔ جس سے یہ مضبوط شخصیت بن کر ابھرے رٹو طوطا نہ بنے۔ تربیت کرو اس کی۔"

"میری مرضی۔ میں جیسا چاہوں اسے بناؤں۔ میرا بیٹا ہے۔" دل کا غبار نکالنے کا موقع ملا تو کیوں چوکتی۔ سجاد کے لبوں پر تبسم کی لکیر نمودار ہوئی۔

"اچھا؟ تمہارا بیٹا ہے۔ تو اپنا جیسا بناؤ۔ میرے جیسا کیوں؟"

"کیونکہ بیٹے کو باپ جیسا ہونا چاہیے۔ بیٹی کو ماں جیسا۔"

"اوہو۔ بیٹی بھی چاہیے؟" کہہ کر خود ہی زور سے ہنس دیے۔

خود کو برا بھلا کہتی جھلاتی ہوئی وہ باہر چلی گئی۔ چند دن بعد ہی عماد کو کپڑے پہناتے ہوئے وہ سجاد کو سنانے کی غرض سے بلند آواز میں کہہ رہی تھی۔

"آج میرا بیٹا اسکول جائے گا۔ اتنے سارے دوستوں سے کھیلے گا مزے کرے گا۔ خوب پڑھے گا۔"

"کیا؟" سجاد ٹھٹک گئے۔ "یہ کیا پڑھے گا۔ بولنا تو صحیح آتا نہیں اسے۔"

"تو کیا ہوا۔ پھر بھی میرا بیٹا بہت عقل مند ہے پڑھ سکتا ہے۔"

"باپ جیسا ہے نا۔ اس لیے ماں جیسا کم عقل نہیں۔" سجاد کہہ کر چلے گئے۔

غصے میں ان کی پیٹھ دیکھتے ہوئے بڑبڑا کر رہ گئی۔ "میں کم عقل ہوں یا زریں؟"

☆ ☆ ☆

اگلے دن ریحانہ آگئیں۔ ترچھی نظروں سے جائزہ لیتی رہیں۔ کافی عرصے کے بعد آئی تھیں۔

"اور سناؤ عماد کو داخل کر آئیں؟"

"نہیں۔ ابھی تو کچھ ٹائم ہے۔ ڈھائی سال کا ہو جائے گا تب داخل کروں گی۔"

"شکر ہے تمہیں کچھ عقل آئی فواد کہاں ہے؟"

"پتا نہیں۔" جیسے فواد بھی اس کی جیب میں رہتا ہو۔ "اچھا تو بہن کو بھی خبر دے دی گئی۔ واہ جی گھر کی کوئی بات بھی راز نہیں رہ سکتی۔ ہم جاتے ہیں ان کے گھر سن گن لینے؟ جو یہ آجاتی ہیں ٹوہ لینے' اچھا میں بھی کل ہی لے کر جاؤں گی عماد کو اسکول پھر دیکھنا کیسے کلستے ہیں سارے رشتے دار۔"

مگر ہوا یہ کہ اگلے دن صبح ہی فواد عماد کو پلے لینڈ لے کر چلا گیا۔

وہ تو نہیں آیا۔ زریں آگئیں۔ فل میک اپ میں چمکتا دمکتا چہرہ۔ نیم عریاں لباس جسم کا ایک ایک عضو نمایاں کرتا ہوا۔ بالوں کا رنگ بھی آج تبدیل کر لیا گیا تھا۔ بھنویں تازہ تازہ بنائی ہوئی باریک تر تھیں۔ چمکتے ریشمی بازو پر بازو بند پہنے۔ واہ بھئی کیا فیشن ہے۔ آنکھوں پر لباس کے رنگ کا میک اپ آنکھوں کو حسین بنا رہا تھا۔

"سجاد کو بلاؤ۔" نہایت استحقاق بلکہ رعونت سے کہا گیا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہیں گی عماد کو بلاؤ۔ وہ دوڑی ۔ سجاد کو ان کے مہمان کی تشریف آوری کا مژدہ سنانے۔ سجاد کے پیچھے وہ بھی کمرے میں داخل ہوئی۔ زریں' سجاد کو بڑے دلکش انداز میں مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ سجاد دروازے پر ہی ٹھٹک گئے تھے۔

"کیوں آئی ہو؟" خشک لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"تم سے ملنے؟" دل ربا تبسم۔ بڑی محنت سے ریہرسل کے ذریعے تیار شدہ۔

"میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔"

"مگر میرا تو ہے۔ میرا بیٹا۔ تمہارے پاس ہے اور ـــ"

"زیادہ ڈائیلاگ کی ضرورت نہیں۔ مقصد بتاؤ۔" وہ غرائے۔

"تم خود ہی کیوں سمجھ نہیں جاتے میں ایک بار پھر تمہارے پاس آنا۔ رہنا چاہتی ہوں۔ بچے کی خاطر' ماتا کی خاطر۔" آواز اور لہجے میں کچھ تاثر پیدا کرنا چاہتی تھیں مگر سجاد بے مروت بے لحاظ بے حس انسان۔

"ایک بار پھر میری زندگی ڈسٹرب کرنے آگئی ہو۔ اب مجھے تمہاری قطعاً" ضرورت نہیں نہ میرے بیٹے' کو تم جا سکتی ہو۔"

ماہ نور ساکت کھڑی تھی۔ وہ دونوں ہی اس کے وجود سے بے نیاز تھے خصوصاً" زریں۔

"مگر مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" وہ تیز لہجے میں بولیں۔ "وہ مجھے طلاق دے چکا ہے۔ میں اب تک خالی گود ہوں۔ تمہیں مجھ پر ترس نہیں آتا؟"

"تمہاری طلاق میں میرا کوئی دخل ہے نہ کردار۔"

Copy Roadsign

"میں بچے سے اور کتنا عرصہ جُدا رہوں سجاد' سوچو ذرا۔"

"اسے چھوڑ کر جاتے ہوئے تمہیں سوچنا چاہیے تھا۔ مگر اس وقت تمہاری کچھ اور ضروریات تھیں۔ دولت' ہنگامے ہلا گلا' آزادی۔ زندگی انجوائے کرنے کے لیے تم نے مجھے اور اسے چھوڑا تھا۔"

سجاد سنجیدگی کے آخری سرے پر تھے۔ زریں اب کچھ کسمسا کر خوشامد پر اتر آئی تھیں۔

"سجاد! میرا کوئی ہمدرد نہیں۔ میں تنہا رہ کر تھک گئی ہوں۔ ماہ نور تمہیں شادی کی اجازت دے دے گی۔ میں۔۔۔"

"زریں۔ تم جاؤ۔ میں اب تم سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا۔ یاد کرو تم نے خود اپنی مرضی اور خواہش پر عدالت سے زبانی تحریری اقرار کیا تھا۔ دست برداری کا حلف اٹھایا تھا۔ کیونکہ اس وقت تم مجھ سے خوش نہ تھیں میں تمہاری امنگوں کا قاتل تھا۔"

سجاد اچانک مڑے۔ ماہ نور کو نظر انداز کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔ زریں کی ساری ادائیں۔ آنکھوں کی چتون۔ لبوں کی لپ اسٹک سے سجی خوب صورتی دھری رہ گئی۔ زیر لب دم بخود بیٹھی تھیں۔ انہیں شاید اس جواب کی توقع نہ تھی۔ کھڑی ہوئیں تو شانے ڈھلکے ہوئے۔ حواس منتشر تھے۔

"تم نے میری سفارش کی ہوتی تو آج میں۔۔۔ ناکام نہ ہو جاتی۔"

ترش لہجے میں ماہ نور سے کہا وہ کھڑی انگلیاں مروڑتی رہی۔ وہ بھی اس امید میں تھی کہ وہ مان جائیں گے۔ آخر زریں۔۔۔ اداؤں۔ میک اپ کے اسلحے سے لیس تھیں۔ معاملہ دکھیاری ماں کا تھا۔ تنہا بے آسرا عورت۔ وہ یک دم پُرعزم ہو گئی۔ ثواب کا کام ہے۔ اگر ماں بیٹا مل جائیں۔ وہ ضد کرے گی تو سجاد مان جائیں گے۔ اس نے زریں کے ریشمی بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ٹھہریے میں پھر کوشش کرتی ہوں۔" اور اندر بھاگی۔ سجاد کمرے میں تھے۔

"سنیے۔ دیکھیے پلیز انہیں نامراد تو قسمت نے کیا

موٹاپے سے نجات

کہا جاتا ہے کہ ہر بیماری کی جڑ پیٹ کی خرابی ہے، موٹاپا اور پیٹ کا بڑھ جانا خواتین کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔

اسی طرح چہرے پر مہاسے کیل، جھائیاں بھی پیٹ کی خرابی سے ہوتی ہیں۔

خواتین کے ان تمام مسائل کا حل

نایاب جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ

Wahid's

JAUHAR-E-HAZIM®

واحد کا جوہر ہاضم®

موٹاپا، پیٹ کا بڑھ جانا، معدے گرانی و تیزابیت۔ کیل مہاسے، چھیپ، چھائیاں دور کرے

قیمت =/60 روپے

کراچی

لاہور

اسلام آباد

پشاور

ملتان

فیصل آباد

سرگودھا

حیدرآباد

راولپنڈی

بہاولپور

Wahid Herbs Lab Karachi-Pakistan

تھا۔ اللہ نے ہی انسان کی قسمت بنائی ہے۔ آپ رحم کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ وہ یہاں رہ سکتی ہیں۔ اتنا بڑا گھر ہے۔ ہم گیسٹ روم ان کو دے دیں گے۔ آپ ان سے نکاح کر لیں۔ ثواب ہو گا۔ وہ در در کی ٹھوکر کھانے سے بچ جائیں گی۔"

سجاد نے اس کی درد بھری فریاد سنی۔ اسے گھور کر دیکھا اور واپس ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔ وہ بھی بھاگی۔ دل اندر سے اچانک ہی خالی ہو گیا۔ ذہن مرجھا گیا۔ ہاں یہ کیا کر ڈالا میں نے اپنے پیروں پر خود ہی کلہاڑی مارنا اسے ہی کہتے ہیں۔ ارے کس مزے سے زرّیں کی طرف گئے ہیں۔ میری ذرا سی التجا پر موم بن گئے۔ دکھاوا کر رہے تھے۔ شاید۔ ابھی تک ان کو چاہتے ہیں۔ آخر پہلی بیوی ہیں۔ چہیتی بھی ہوں گی۔

وہ بھی کمرے میں جا گھسی۔ آخری سین دیکھنے کے لیے سرخ چہرے پر اشتعال کی تمتماہٹ لیے۔ سجاد زرّیں سے مخاطب تھے۔ وہ دھڑ دھڑ کرتے دل کو سنبھالتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"تم مجھ پر ذرا سا بھی دباؤ نہیں ڈال سکو گی۔ اگر ایک لفظ اور کہا۔ میں دھکے دے کر نکلوا دوں گا اگر تم بھول گئی ہو۔ تو میں ایک بار پھر یاد دلا دوں۔ تم نے میری زندگی اجیرن کر دی تھی۔ میں تمہیں سمجھاتا رہا۔ تسلیاں دیتا رہا کہ صبر سے کام لو۔ کچھ دن انتظار کر لو۔ اچھے دن بھی آئیں گے۔ میں محنت کر رہا ہوں۔ ترقی ہو گی، بہت زیادہ دولت نہ سہی۔ مگر آرام کی زندگی کے لیے میری کوشش اور جدوجہد بار آور ہو گی۔ ہم لاکھوں سے بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔ کروڑوں سے بہتر بھی ہو سکتے ہیں۔ کچھ عرصہ صبر کرو۔ مگر تم کو مجھ سے محبت نہیں تھی۔ دولت سے عشق تھا۔ اس لیے تم نے دوسرا شکار پھانس لیا۔"

"سجاد! سجاد! بہت پچھتائی میں۔ یقین کرو اسی لیے چھٹکارا۔"

"پچھتاؤ۔ یہی پچھتاوا تمہاری زندگی کا حاصل ہے۔ میں تمہاری بے وفائی کا ڈسا ہوا ہوں۔ اس بے وفائی کے زہریلے اثرات ابھی تک میری زندگی سے پورے طور پر خارج نہیں ہوئے۔ میں اب ایک لمحے کے لیے بھی تم کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں اترن پہننے کا قائل ہوں نہ روادار اور تم۔۔۔ کسی کی اترن کے سوا کچھ نہیں تھیں تم میری زندگی، میرے دل سے اتر چکی ہو۔ خدا حافظ اینڈ گڈ بائے۔"

ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتے ہوئے وہ ایک بار پھر ماہ نور کو نظر انداز کرتے ہوئے اندر چلے گئے۔

لڑکھڑاتے قدموں دھواں دھواں چہرے کے ساتھ زرّیں بھی چلی گئیں۔ ماہ نور کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ آنسو امڈے آ رہے تھے۔ عورت کی بے چارگی۔ شکست۔

فواد عماد کو لے کر آیا تو سجاد نے اسے گود میں لے لیا وہ بے حد خوش تھا۔ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنی سیر اور خوشی کے جذبات سے آگاہ کر رہا تھا۔ سجاد نے اسے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔ آنکھیں بند کیے وہ گہری سوچ میں گم تھے۔ فواد نے پوچھ لیا۔

"بھائی، بھابھی ادھر گیلری میں کھڑی رو رہی ہیں۔"

"ہاں انہیں زرّیں کی ہمدردی کا بخار چڑھا ہوا ہے۔" سجاد نے لمبا سانس لے کر آنکھیں کھولیں۔ "بلاؤ ذرا۔"

فواد ماہ نور کا ہاتھ پکڑ کر اندر لایا اور عماد کو لے کر خود باہر چلا گیا۔

"کیا ہوا ہے؟ زندہ ہوں ابھی میں۔" وہ قدرے سختی سے بولے۔ ماہ نور کے آنسو انہیں تکلیف پہنچا رہے تھے۔

"آپ کو احساس ہی نہیں۔ ایک ماں کے لیے اولاد کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ آپ نے انہیں بری طرح دھتکارا ہے۔ یہ بھی ظلم ہے۔"

"میں نے صرف آئینہ دکھایا ہے۔ ظلم اس نے کیا تھا۔ مجھ پر اور میرے بیٹے پر۔"

"وہ۔۔۔ دکھے دل سے گئی ہیں۔ معلوم ہے۔ ماں کی آہ عرش ہلا سکتی ہے۔"

"او یار! بس کرو۔" وہ چیخے۔ ماہ نور ڈر گئی۔ "ماں،

ماں اس ماں نے بیٹے کی پیدائش تک میری زندگی عذاب بنائے رکھی۔ اسے اولاد کی ضرورت نہ تھی۔ اسے آزادی کی طلب تھی۔ اس نے خود عدالت سے یہ آزادی حاصل کی۔ بیٹے سے دستبرداری کا حلف اٹھایا۔ اب وہ مظلوم بن گئی۔ ایک بات بتاؤ۔ اتنی دفعہ آئی۔ کیا اس نے ایک بار بھی اس اولاد سے ملنے کی کوشش کی؟ جس کے لیے وہ ڈرامے کر رہی تھی۔ اپنی مامتا کی تسکین کے لیے ایک بار بھی کوشش کی؟

"وہ' وہ تو اتفاق سے جب آتی تھیں۔ موجود نہیں ہوتا تھا۔"

"او پاگل عورت کیسے سمجھاؤں۔ وہ کبھی اس کی موجودگی میں بھی آسکتی تھی۔ فون کر کے معلوم کر کے آسکتی تھی۔ لیکن اسے بچے کی نہیں۔ اس گھر کی۔ اس چھت کی ضرورت تھی۔ جسے میں نے کس قدر محنت اور جدوجہد سے بنایا۔ اسے اب میری پوزیشن کی، میرے نام کی ضرورت تھی۔ جس کی آڑ میں وہ پھر اپنے شوق پورے کرے۔ اس کی نحوست سے نجات کے بعد ہی میں اس مقام کو پہنچا ہوں۔ اسے صرف اپنے عیش آرام سے غرض ہے' بچے سے نہیں۔"

ماہ نور آنکھیں کھولے حیران کھڑی رہی۔ کبھی بھی انہوں نے بچے کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سوائے زبانی جمع خرچ کے یہ تو درست تھا۔

"شادی کے بغیر بھی..... وہ یہاں رہ لیتیں۔" ماہ نور ہکلانے لگی۔

"اف کہاں جا کر سر پھوڑوں میں۔ میں نے اپنی دشمن عورت پہلی بار دیکھی ہے۔" سجاد سر تھام کر مایوسی بولے۔

"آ..... آپ نے کہا..... وہ کسی کی اترن..... میرا مطلب ہے کہ میں' میں بھی تو ایک بار کسی کے نکاح..... پھر مجھ سے کیوں شادی کرلی۔"

سجاد دھم سے پلنگ پر گرے۔ "میں وہ عقل نہیں حاصل کر سکا۔ جس سے تمہیں سمجھا سکوں۔ پاگل لڑکی! تم بہت ہی بے عقل ہو۔ ارے تم سے شادی میری زندگی کا بہترین فیصلہ تھا۔ کیسے بتاؤں۔"

"مگر..... میں شادی شدہ تھی۔ آپ نے زریں کو کیوں ٹھکرایا۔"

"تم..... نکاح شدہ تھیں۔ رخصتی سے پہلے ہی طلاق مل گئی تھی۔ یاد ہے۔ یا میں یاد دلاؤں۔ تم کسی دوسرے مرد کی اترن نہیں تھیں۔"

سجاد جیسے لہجے میں نرمی سے کہہ رہے تھے۔ جوان کے مزاج سے مختلف تھا۔ بالکل الگ جیسا کہ اس نے ابھی تک انہیں جانا تھا۔ پہچانا تھا۔ مگر کسی کو جاننے کے لیے بس ایک لمحہ ہی درکار ہے۔ ساری عمر نہیں۔ اب وہ ایک اور دنیا میں تھی۔ انجانی سہانی دنیا۔

"مگر مذہب میں شرع میں تو اجازت ہے۔"

"میرے مذہب میں..... بے وفائی کی گنجائش نہیں ہے ماہ نور! زریں نے..... دو تین ماہ کے بعد ہی۔ اپنا اصل دکھانا شروع کر دیا تھا۔ میں اب۔ اصل اور کم اصل میں تمیز کرنے کے لائق ہو گیا ہوں۔ تم سے بے وفائی کا تصور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تم ہی میرا اصل ہو۔ ماہ نور تم کب مجھے سمجھو گی اور میں بھی کب تک سمجھاؤں گا۔ میرا خیال ہے اس ذکر کو' اس فکر کو یہیں ختم کر دیتے ہیں۔"

سجاد کا لہجہ' آواز الفاظ ماہ نور کو کسی خوش نما جزیرے میں لے جا رہا تھا۔ جہاں پھول تھے۔ وفا کے پھول۔ وفا کی مہک زندگی کو سرشار کرنے والی ہریالی۔ بلند بالا پہاڑ۔ جن سے پھوٹتے خوش نما چشمے آبشار کی مانند چاندی جیسی چمک لیے نیچے گر رہے تھے۔ یہ زندگی کا اصل تھا۔ کیا ہوا اگر وہ لفظوں سے اظہار محبت نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے صرف اسی کے لیے اپنے دل کے دروازے کھول دیے تھے۔ صرف اسی کے لیے اور وہ۔ بغیر کسی بوجھ کے' کسی فکر کے بنا۔ اس میں داخل ہو رہی تھی۔ پہلی بار پورے یقین کے ساتھ.....